ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

ستمبر 2022ء - صفر المظفر 1444ھ

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 09 | ستمبر 2022ء | جلد 30

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- حافظ یحییٰ احمد
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

=/450 روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر' 80 پونڈز

ہرچہ مرد در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	حکیم شہاب امروہوی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	7
4	درس حدیث	حافظ یحییٰ احمد	12
5	اولیائے دہلی	محمد امین شرقپوری	13
6	لفظ داتا پر اعتراض کیوں؟	ڈاکٹر فیض احمد چشتی	15
7	حکمت قرآن	سید ریاض حسین شاہ	19
8	امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ	ذیشان کلیم معصومی	21
9	ہدیۂ حروف	سید ریاض حسین شاہ	24
10	ہادیٔ برحق اور تربیت نفس	محمد شریف سیالوی	25
11	حضرت خواجہ محمد جمشید رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	26
12	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	30
13	صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن	ماسٹر احسان الٰہی	32
14	کامیابی کا تصور	آصف بلال آصف	36
15	مسالک الحنفاء	علامہ آصف محمود	37

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3' خیابان سرسید' راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

التجا

درِ شاہِ لولاک پر جانے والو
لیے جاؤ میری نظر جانے والو

برستی ہے رونق جو صحن حرم میں
کہاں دلفریبی وہ باغ ارم میں
تڑپتا ہے دل ہجرِ شاہِ امم میں
کہیں جاں نہ پرواز کر جائے غم میں

درِ شاہِ لولاک پر جانے والو
لیے جاؤ میری نظر جانے والو

وہ راحت کدہ مسکنِ شاہِ ذیشاں
جہاں کا ہے ہر ذرّہ رحمت بداماں
بہارِ جناں جس کے کانٹوں پہ قرباں
نگاہوں کو ہے دید کا اس کی ارماں

درِ شاہِ لولاک پر جانے والو
لیے جاؤ میری نظر جانے والو

مجھے گلشنِ خلد کوئے نبی ہے
نظر ہر گھڑی میری سوئے نبی ہے
ازل سے مجھے جستجوئے نبی ہے
تمنائے دیدار روئے نبی ہے

درِ شاہِ لولاک ہر جانے والو
لیے جاؤ میری نظر جانے والو

وہ محبوبِ حق جو شہِ بحر و بر ہے
شہِ مرسلاں فخرِ جنّ و بشر ہے
جدائی سے ان کی یہ دل غم اثر ہے
اسی غم میں چشمِ حزیں نوحہ گر ہے

درِ شاہِ لولاک پر جانے والو
لیے جاؤ میری نظر جانے والو

ہوئی نور سے جس کے دنیا منور
ہدایت ہوئی جس کے دم سے میسر
ہوئی عام توحید خلاقِ اکبر
اسی کی تمنا میں ہے قلب مضطر

درِ شاہِ لولاک پر جانے والو
لیے جاؤ میری نظر جانے والو

سوئے طیبہ اک روز میرا سفر ہو
مقدر میں اے کاش یہ مستقر ہو
تمنائے دل پوری یہ جلد تر ہو
درِ سرور دیں پیش نظر ہو

درِ شاہِ لولاک پر جانے والو
لیے جاؤ میری نظر جانے والو

حکیم شہاب امروہوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’’قرآن سیکھو مہم‘‘ ہمیں تیز کرنی ہوگی

اسلامی معاشرہ زبوں حالی کے سرطان میں مبتلا ہے۔ مسلم نوجوان دن بدن گھمبیر حالات کا شکار ہو رہے ہیں۔ فساد، انتشار اور غیر یقینی صورت حال لوگوں کو سنجیدہ، باوقار اور تابندہ روایات سے منقطع کر رہی ہے۔ اس نازک وقت میں صالحین اُمت، مومنین اور دردمند مسلمانوں کو نہضت عملی اور شہامت روحی کے اسلحہ سے لیس ہو کر میدانِ تگ و تاز میں اتر جانا چاہیے لیکن اُمت کی مجموعی نفسیاتی اور اعتقادی حالت کا ادراک ہونا از بس ضروری سمجھتے ہوئے یہ نکات ذہن میں رکھنے چاہییں:

- ☆ آج کے انسان کا روحانی تعلق اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ انتہائی کمزور ہو رہا ہے۔
- ☆ مذہبی اعتماد اور بھروسہ ختم ہو رہا ہے۔ توکل اور اللہ کی ذات پر اتم اور بھرپور یقین کا فقدان ہو رہا ہے۔
- ☆ مذہبی، خانقاہی اور محرابی سرگرمیاں تفقہہ فی الدین کے بجائے فروعی اختلافات میں اس قدر ڈوب گئی ہیں کہ اُمت کا تصور، عالمگیر اسلامی غلبہ کا شعور اور مرکز ملت کے استحکام کے لیے بے تابیاں مذہبی طبقے کی منزل ہی نہیں رہی۔
- ☆ تمام مسلمان الّا ماشاءاللہ ایک عالمی خوف سے دوچار ہیں۔ کافروں کا ڈر اور ہیبت مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ صحابہ کو ہم ستارے سمجھتے ہیں لیکن ان کے تقویٰ، ایمان اور بے خوفی کی روشنی

سے ہم مستفید نہیں ہو رہے۔

☆ نوجوانوں میں ہیجان نفسی، شہوات اور مغریات کا غلبہ ہے۔ احیائے اسلام کے لیے جہادی ٹیلنٹ نوجوانوں میں ہے لیکن اسے ضائع کیا جا رہا ہے، اس کی فکر آخر کون کرے گا۔۔۔؟

☆ سوسائٹی گناہ آلود ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کی تبلیغی اور خانقاہی سرگرمیاں مادیت کی بادِ صرصر کی لپیٹ میں ہیں۔ رفاہیت ناقصہ اور عیاشیوں کے رجحانات نے رگوں میں جذبوں والے خون کو منجمد کر دیا ہے۔

☆ عصر ماضی میں زندہ صحبتیں موجود تھیں۔ رومی اور جامی کے عاشق، غریب نواز اور داتا کے نوکر، غوثِ جلی کے متوالے اور مجددی مجاہد سب ایک زندہ، عظیم اور ایمان ساز ماحول لوگوں کو دیتے تھے۔ آج تسبیح و مُصلّٰی، اضطرابات کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ صحبت نہیں ہو گی تو دینی زندگی کہاں سے آئے گی۔۔۔؟

☆ غنڈوں، بھتہ خوروں، انسانیت دشمنوں اور اقدار چوروں کے جھنڈے اونچے ہو رہے ہیں اور صالحین کی کوششوں کے پرچم سرنگوں ہو رہے ہیں۔ کیا عصری فتنوں نے دینی جماعتوں کو بکھیر کر نہیں رکھ دیا۔ جس طرح انڈوں کے ٹوٹنے سے بچے پیدا ہو کر مر جاتے ہیں مذہبی جماعتیں ٹوٹ رہی ہیں۔ کچھ دن چوں چاں کر کے بیان دیتی ہیں پھر مر جاتی ہیں، کوئی ختم درود دینے والا بھی نہیں ہوتا۔

☆ علماء کی جماعت سے ثقاہت، وثوق، دور نظری اور وژن سب کچھ ختم ہو رہا ہے۔ فلمی اداکاروں کی طرح ہم تصویروں کے چھپنے چھاپنے پر جی رہے ہیں۔ قرآن اور سنت کے لیے جینے کا جذبہ کدھر گیا۔۔۔؟

☆ ریاستی حوالے سے تمام مسلم ممالک اسلام اور دین کا کسی نہ کسی طرح حوالہ رکھتے ہیں لیکن جہاں بانی کے لیے ہمارا منہاج عمل سیکولر ہے۔ اس کا سدّ باب کون کرے گا۔۔۔؟

☆ نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں مجنوں کے بابے اور لیلیٰ کی تائیاں بنتی جا رہی ہیں۔ ملہیات، ساز آواز، کھیل کود اور فیشنوں کے طوفان مخرب اخلاق ہو کر تباہیاں مچائے ہوئے ہیں۔

☆ کرائے کے قاتل خوبصورت ٹوپیاں پہن کر رفاہی تنظیمیں قائم کر کے چندے بٹور رہے ہیں اور دہشت گردی کی زہر عام ہو رہی ہے۔ جہاد کی مقدس اصطلاح کرپٹ لوگوں نے جس بے دردی کے ساتھ استعمال کی ہے الحفیظ والامان۔

☆ مذہبی فرقوں سے سیاسی فرقے زیادہ خطرناک ہیں۔ اُمت مسلمہ کوتشتت کی آگ میں جلانے والی یہی عصبیتیں ہیں۔ لسانی، عمرانی اور معاشی وسائل کی بنیاد پر قوموں کی تقسیم انتہائی مہلک ہے۔ اسلام اور دین کو شعوری، فکری اور انقلابی بنیاد پر سمجھنے اور سمجھانے کے لیے قرآنی تبلیغ، تشہیر اور توزیع از حد ضروری ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمت کی تربیت ایمانیات کی بنیاد پر کی تھی اور یہ سارا کام ''قرآن مجید'' کے ساتھ رہتے ہوئے ہوا تھا، یہ قرآنی تعلیمات کا اثر تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے ساتھ جنون کی حد تک پیار کرتے تھے۔ مجاہدین، مفکرین اور غلامانِ مصطفیٰ دنوں کو رزم و بزم میں نقوش فرما وفا ثبت کرتے تھے اور راتوں کو ان کے خیموں سے قرآنی زمزموں کی آوازیں ان کی تربیتی عظمتوں اور فضیلتوں کی تاریخ بیان کرتی تھیں۔ امت مسلمہ کو جس چیز نے ماضی میں ترقی دی تھی حال میں بھی وہی نصاب عشق ترقی دے گا۔ ہر شخص کا خلوص اور اخلاص سے قرآن حکیم کی آغوش تربیت میں آجانا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے ساتھ والہانہ عشق اور اس کے تقاضے پورے کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ مومن کے وہ اعمال اور نیکیاں جو اسے مرنے کے بعد بھی ملتی رہتی ہیں ان میں اک علم بھی ہے جو اس نے لوگوں کو سکھایا اور پھیلایا ہو''۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے ''کتاب اللہ'' میں سے ایک آیت بھی کسی کو سکھلائی جب تک اس کی تلاوت کی جاتی رہے گی اُسے اس کا ثواب ملتا رہے گا''۔

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

''قیامت کا دن ہوگا۔ قرآن حکیم اپنے پڑھنے والے ساتھی سے ملاقات کرے گا۔ قبر کے وِگار اور شق ہونے کے بعد سنجیدہ سی رنگت والا یہ شخص قرآن پڑھنے والے سے کہے گا کیا تو نے مجھے پہچانا؟ وہ جواب میں کہے گا نہیں بھی تو!! میں نے نہیں پہچانا۔ قرآن مجید کہے گا میں تیرا ساتھی اور دوست قرآن ہوں، میں نے تجھے گرما کے موسم میں تپتی دوپہر کو پیاسا رکھا، راتوں کو تجھے سونے نہ دیا بلاشبہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے بے شک آج تو بھی کمائے مال کے پیچھے ہوگا، چنانچہ اس کے دست راست میں اختیار و اقتدار کا پروانہ دے دیا جائے گا اور بائیں ہاتھ میں دوام اور

خلود کی نعمت رکھ دی جائے گی۔اس کے سر پر وقار کا تاج ہوگا۔اس کے والدین کو دو قیمتی جوڑے پہنائے جائیں گے اور کہا جائے گا یہ نعمت تمہارے بیٹے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے ہے، پھر صاحب قرآن کو کہا جائے گا جنت کے بلند درجوں اور بالا خانوں کی طرف چڑھتا جا، وہ آہستہ یا تیز پڑھتا جائے گا اور اوپر چڑھتا جائے گا''۔

قرآن سے اگر جنت کے بالا خانے حاصل کیے جا سکتے ہیں تو قرآن سے وہ انقلاب بھی لایا جا سکتا ہے جس سے زمین کی مٹی میں جنت کی خوشبو آ جائے اور انسان واقعۃً انسان بن جائے۔

آؤ!

اس میٹھی منزل کے لیے آج دنیا میں کچھ کر لیں!

ترقی کا منہاج تو یہی ہے

قرآن!

قرآن قرآن!!

اور قرآن قرآن قرآن!!!

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 104 تا 111 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾ يَّوْمَ
تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ كُنْتُمْ
خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ لَنْ
يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ
الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

''اور تمہارے اپنوں میں سے ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو بلاتے رہیں بھلائی کی طرف اور حکم دیتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف میں پڑ گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں اور ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے اُس دن جب کچھ چہروں پر اُجالا چھایا ہو گا اور کچھ چہروں پر سیاہی چھائی ہو گی، تو وہ لوگ جن کے چہرے کالے پڑے ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد انکار حق کیا لو چکھو عذاب اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے اور وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو گویا وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ ہیں اللہ کی آیتیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تمام جہاں والوں کے لیے کسی ظلم کا ارادہ نہیں کرتا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹا دیے جائیں گے، تم بہترین اُمت ہو جس کی تشکیل ہی لوگوں کے لیے کی گئی تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہوتی، ان میں مومن بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت دائرۂ ہدایت سے نکلی ہوئی ہے، وہ تھوڑی بہت اذیت کے سوا تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑے تو بزدلی سے انہیں پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی پھر وہ مدد بھی نہ کیے جائیں گے''۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾

''اور تمہارے اپنوں میں سے ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو بلاتے رہیں بھلائی کی طرف اور حکم دیتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

کامیابی اور فلاح کے راستے

فکری سفر کرنے والوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قافلۂ انسانیت کے بالغ ہونے پر ان کے لیے ابلغ اور کامل ترین رہنمائی اسلام کی ہے۔ اسلام دین حق ہے جس کا فکری اور ایمانی دستور قرآن حکیم ہے۔ زیر تفسیر آیت بغیر کمانیں کسے، نیزے جوڑے اور طمنچے چڑھائے سادگی اور فطری حسن کی زبان میں سمجھاتی ہے کہ کامیابی کے راستے اور فلاح کی راہیں چار ہیں:

(1) جماعت سازی

(2) دعوت الی الخیر

(3) نیکی کا حکم

(4) اور بُرائی سے منع کرنا

وہ لوگ جو قرآن سے وابستہ ہیں انہیں ''تفرقات'' اور تنازعات سے نفرت ہوتی ہے، ان کی تربیت میں قرآن حکیم جماعت سے محبت ڈالتا ہے اور رحمت عالم ﷺ بھی اپنے غلام کی تربیت اسی نہج پر فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بڑی جماعت کی پیروی کرو بے شک وہ شخص جو اس سے بچھڑ بکھر گیا وہ آگ میں جل کر لوٹ پھٹ گیا''۔

رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے۔ بے شک جو بھیڑ اور بکری ریوڑ سے جدا ہوتی ہے اُسے بھیڑیا پکڑتا ہے اسی طرح تم پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو تاکہ تباہی سے بچ جاؤ''۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو آدمی جماعت سے ایک بالشت جدا ہو گیا وہ سمجھے کہ اس نے گردن سے اسلام کا ڈورہ اتار دیا''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک خوبصورت ارشاد

آپ فرماتے ہیں:

''افعالِ خیر سارے کے سارے، اعمالِ احسان سب کے سب اور امورِ جہاد اول الی الآخر امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے ایک بے کراں سمندر کے مقابلے میں پانی کا ایک قطرہ ہوتا ہے''۔

آیت میں اُمت کا مفہوم

اُمت لفظ "ام" سے ماخوذ ہے۔ ''ام'' ہر اُس چیز کو کہہ دیتے ہیں دوسری چیزیں جس کا ضمیمہ ہوں۔ اُمت اُس جماعت کو کہیں گے جو مذہبی، روحانی اور فکری بنیاد پر وحدت رکھتی ہو پھر وحدت زمانی بھی ہوسکتی ہے اور مکانی بھی ہوسکتی ہے اور فکری اور نظریاتی بھی ہوسکتی ہے۔ اُمت کی اس آیت میں ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ ان میں ہر وقت وحدت کی سلامتی اور تربیت کے لیے کام جاری رہنا چاہیے۔ اُمت اور ملت کے دشمن ہر وقت وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، اس لیے دعوت اور امر حق کی پرچم بردار متحرک رہنے چاہییں، اصل ہدف خیر، معروف اور اجتماعیت کی حفاظت اور پرچار ہے۔ یہ کام فضیلت مآب ہے لیکن مشکل بھی بڑا ہے کہ فضیلت جو بڑی ہے تو مصیبت بھی بڑی ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف میں پڑ گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں اور ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے''۔

افتراق اور اختلاف کی سہ جہتی تعبیر

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (362) کہ مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ اور اختلاف کیا۔

☆ اس جملہ کی پہلی تفسیر یہ ہے کہ تم لوگ خواہشات کی غلامی اور حسد کے سبب تفرقہ اور اختلاف نہ کرو جیسے شیطان نے حسد کی وجہ سے اللہ کا حکم نہ مانا۔

☆ دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم لوگ بعض انبیاء کی تصدیق اور بعض کی تکذیب کر کے تفرقہ کا شکار نہ ہو ورنہ تمہارے اندر عداوت اور فرقہ واریت آجائے گی۔

☆ اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ تم اس اُمت کے اہل بدعت کی طرح ہو جاؤ گے جو فکری زبوں کا شکار ہو کر عصبیتوں اور طبقاتیت کی ظلمت عام کرنے والے ہوں گے۔

افتراق اور اختلاف میں فرق

مفسرین نے صراحت کی کہ افتراق اور اختلاف میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں معنوی ترادف پایا جاتا ہے البتہ رازی نے دونوں لفظوں کی تعبیر میں چند فرق بیان کیے ہیں:

☆ پہلی تعبیر یہ ہے کہ وہ باہمی عداوت کی وجہ سے باہم تقسیم کا شکار ہو گئے اور یہی چیز ان کی تباہی کا سبب بن گئی۔

☆ دوسری تعبیر یہ ہے کہ ان لوگوں نے آیات کے ظاہری اور صریح معانی چھوڑ دیے اور باطل تاویلات کے پیچھے پڑ گئے اور ان کا اختلاف یہ تھا کہ وہ اپنی تاویلوں کو دوسروں پر ترجیح دیتے اور یہی اختلاف سرپھٹول کا سبب بن جاتا۔

☆ تیسری تعبیر یہ کہ وہ متفرق ہو گئے کوئی کسی شہر کا رئیس بن گیا اور کوئی کسی شہر کا رئیس بن گیا پھر باہم وہ لوگ متخالف ہو گئے اور بھی یہ اختلاف شدت اختیار کر کے تفرقہ میں تبدیل ہو گئے (363)۔

آیت میں اسباق

☆ پہلا سبق مسلمانوں کو منکرین کی مشابہت سے بچنا چاہیے۔

☆ دوسرا سبق یہ ہے کہ وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو یہود و نصاریٰ کی وضع قطع پسند کرتے ہیں۔

☆ تیسرا سبق یہ ہے کہ مسلمانوں کو تراشیدہ افکار سے بچنا چاہیے۔ پیروی قرآن اور سنت ہی کی باعثِ نجات ہوسکتی ہے۔

☆ چوتھا سبق یہ ہے کہ نااتفاقی نارِ جہنم ہے اور اتحادِ اُمت جنت کی راہ ہے۔

☆ پانچواں سبق یہ ہے کہ اللہ کی نشانیاں پہچانی جانی چاہییں۔ آیات کا عرفان ہی صراطِ مستقیم کا روشن نشان ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

''اُس دن جب کچھ چہروں پر اُجالا چھایا ہوگا اور کچھ چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی، تو وہ لوگ جن کے چہرے کالے پڑے ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد انکارِ حق کیا لو چکھو عذاب اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے''۔

قرآن مجید مفروضات کی کتاب نہیں صداقتوں کا وقوع نامہ ہے۔ اس

میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا ایک ایک حرف سورج سے زیادہ روشن ہے۔ جب ہنگامِ محشر ہوگا اس جہاں میں جو کام انسان نے کئے ہوں گے وہ اپنی کیفیات کے ساتھ سامنے آجائیں گے۔ انسان کا ہر فعل، قول اور عمل روح کی گہرائیوں میں اثر چھوڑتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے چہروں کی کتاب پر اعمال اور عقیدوں کا عکس نہ دیکھا جاسکے۔ یہاں بات سادے اور حقیقی اسلوب میں کی جارہی ہے لیکن قرآنی بلاغت اختصار میں بھی تفصیل کی روشنی سمونے کا کام کر رہی ہے۔ کہا جارہا ہے کہ قیامت کے دن کفر، منافقت، تفرقہ بازی، حسد، بغض اور دینی عداوت کالک بن کر مبغوض چہروں سے عیاں ہو رہی ہو گی۔ منکرین کے لیے کوئی عزت نہیں ہوگی بلکہ ذلت اور صغار اور ہوان اور بربادی کا عالم یہ ہوگا کہ ان کی روسیاہی دیکھ کران سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ایمان کے بعد پھر کفر کی راہ چل نکلے تھے، تم چونکہ اپنی من موجیوں کو پیغمبرانہ استدلال پر فوقیت دیتے تھے، اس لیے آج کالک تمہارے چہروں پر لیپ کردی گئی ہے اب چکھو یہ ذلت کا عذاب، جب بھی کوئی رسوائی کا تازیانہ پڑے سوچ لینا یہ سب کچھ تمہارے کفر کے سبب ہوا ہے۔

آیت دراصل ایک گہری سوچ کا ابلتا چشمہ ہے، ایسا چشمہ جو وقوعِ قیامت کے بے کراں سمندر کی خبر دے رہا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گندے افکار کے کالے سمندر کی خوفناک لہروں میں لپٹے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی کا سیاہ فسوں انہیں گھیرے رکھتا ہے اور بالآخر کفر و بغض کی تاریکی میں رہنے والے یہ کالے لوگ رنگین زندگی کے متوالے لوگ سمجھ ہی جائیں گے اور دیکھ لیں گے جب ہر شئی بکھر جائے گی ایمان ہی کی دلہن کا حسن ہر سو چھایا ہوگا!!!!!!

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۟

''اور وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو گویا وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

آیت میں ''وَ'' عاطفہ ہے اور ''اَمَّا'' تفصیلیہ ہے اور ''سفید رو'' لوگ مؤمنین ہیں (364)۔

مفسرین نے لکھا کہ چہروں کا سفید ہونا اور کالا ہونا ایک تو مجازی معنیٰ رکھتا ہے اور دوسرا حقیقی معنیٰ رکھتا ہے۔

چہروں کا سفید ہونا یہ مجازی معنیٰ دیتا ہے کہ وہ فرحت وسرور میں ڈوبے ہوں گے اور فخر الدین رازی نے کہا کہ مؤمنین کے چہرے حقیقی طور پر سفید ہوں گے، ان میں نورانیت ہوگی اور روشنی سے وہ جگمگا رہے ہوں گے (365):

☆ قیامت کے دن جب مؤمنوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ایمان والوں کے چہرے سفید اور روشنی میں ڈوبے ہوں گے۔

☆ اور دوسرا چہروں کے کھل اٹھنے کا مقام وہ ہوگا جب اعمال نامہ ہاتھ میں پکڑا جائے گا تو مؤمنوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے۔

☆ تیسرا مقام وہ ہوگا جب مؤمنین اور منافقین کو جدا جدا کیا جائے گا تو مومن خوش ہوں گے اور ان کے چہرے سفیدی سے دمک رہے ہوں گے۔

☆ چوتھا مقام میزان پر اعمال تلنے کا ہوگا جب مؤمنوں کی نیکیاں وزن میں بڑھ جائیں گی تو وہ خوش ہوں گے اور ان کے چہرے سفید ہوں گے۔

☆ پانچواں مقام شوق لقا کی برآری پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی زیارت کا شرف مؤمنوں کو عطا فرمائے گا تو وہ سجدہ میں گر جائیں گے۔ نور و رحمت کے ان جلووں میں مؤمنوں کے چہرے برف کی طرح سفید ہوں گے۔ تفصیل کے لیے قرطبی اور رازی کی تفسیریں پڑھی جا سکتی ہیں (366)۔

آیت میں رحمت سے مراد جنت ہے (367)۔

نحاس اور زجاج وغیرہ نے لکھا کہ رحمت سے مراد اہل اطاعت کے لیے ثواب ہے (368)۔

''فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ'' جمالیاتی ادب کی ہری شاخ ہے۔ چہروں کی سفیدی مسرور اور خوش ہونے کی علامت ہے۔ ''فَفِیْ'' کی ظرفیت خوشیوں کے وفور، ہجوم اور جوش پر دلالت کرنے والا اسلوب ہے اور رحمت میں شفقت، توجہ، التفات، نرمی اور عطا کا معنیٰ جیسے سمندر موجزن ہو۔ رحمت کی قرآنی نسبت تکاثر معنوی پر بھی دلالت کرتی ہے۔ مزے کی بات یہ کہ رحمت دور نہیں ہوتی اس میں قرب کا معنیٰ ایسا لگتا ہے جیسے نرگس کی نرگسیّت میں تجاذب ہو اور وہ لوگ جن میں جمالیاتی احساسات کا چشمۂ فیض بار ہو، وہ سمجھتے ہیں کہ رحمت اور نور دو ایسے کنائے ہیں جن سے حسن کے قبیلے کا کوئی فرد کتراتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔ میں کہہ سکتا ہوں محبت کے جذبات کے لیے عواطف حسن کا یہاں طوفاں ہے جو قاریٔ قرآن محسوس کرسکتا ہے۔ دل کرتا ہے یہ آیت بار بار دل اور روح کو چھو کر محبت کا ہنگامہ کھڑا کردے۔ آیت میں لطافت کا عرش دیکھئے کہ کہا جا رہا ہے یہ سب کچھ لمحہ بھر کے لیے نہیں ہوگا اس نعمت کو خلود اور دوام حاصل ہوگا۔

واللہ اعلم

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ۟

''یہ ہیں اللہ کی آیتیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تمام جہاں والوں کے لیے کسی ظلم کا ارادہ نہیں کرتا''۔

''تِلْكَ'' مبتدا ہے اور ''اٰیٰتُ اللّٰهِ'' اس کی خبر ہے اور ''نَتْلُوْهَا'' جملہ حالیہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے ''اٰیٰتُ اللّٰهِ'' بدل ہے ''تِلْكَ'' سے اور جملہ پورے کا پورا خبر واقع ہو رہا ہے اور ''بِالْحَقِّ'' ''نَتْلُوْهَا'' کے فاعل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔ تمام صورتوں میں معنی ہوگا: یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں ہمارا پڑھنا حق ہے۔

مفعول سے حال واقع ہونے کی صورت میں ترجمہ ہوگا:

''یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ آیات حق ہیں'' (369)۔

آیت کی عمومی تفہیم یہ ہوگی کہ یہ آیات جو قاریٔ قرآن پڑھ رہا ہے ایسی مثمرات اور حقیقتیں رکھنے والی آیات ہیں جو ثابت اور مثبوت ہیں۔ یہ ہماری تلاوت اور تحفیظ کا اعزاز رکھتی ہیں، ان کے اندر پختگی اور اتقان ہے، یہ اپنے

باطن میں ایسے مخفی خزانے رکھتی ہیں کہ جن کی قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ اللہ نے بیان کی ہیں۔

آیت کا اختتام ایک محکم اظہار پر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عوالم میں کسی ایک پر بھی ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہوں سے زیادہ عذاب نہیں دیتا۔ جرائم کے موافق سزائیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا(370):

''بے شک اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا، اسے اللہ دنیا میں نیکی کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور نیکی کی جزا آخرت میں عطا کردی جائے گی جبکہ کافر اپنی اچھائیوں کے بدلے دنیا میں کھالیتا ہے اس لیے کہ اس کا عمل اللہ کے لیے نہیں ہوتا، جب کافر آخرت میں پہنچے گا تو اُس کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی کہ اسے جزا ملے''۔

وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾

''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹا دیے جائیں گے''۔

قرآن مجید کی اس آیت سے پہلے احوال المؤمنین بیان ہوئے۔ جزاؤں کی تصویریں کھینچی گئیں۔ احوالِ منکرین سے پردہ ہٹایا گیا۔ نیک لوگوں کے روشن چہرے موضوع ہدایت بن کرا بھرے اور روسیاہیوں کی قساوتیں اور نحوستیں اپنی اصلی شکل میں ظاہر کردی گئیں اور آخری جملہ یہ لایا گیا کہ اللہ سبحانہ کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اب قاریٔ قرآن کو سمجھایا گیا کہ ظلم تو وہ کرتا ہے جو دوسروں کے مال کا محتاج ہوتا ہے یا اس کا اپنا مال کم ہوتا ہے اللہ تو وہ قادر وقدیر مالک ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی شئی ایسی نہیں جو اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو، جب ہر شئی نے اُسی کی طرف لوٹنا ہے اور ہر شئی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو اُسے ظلم روا رکھنا امر محال ہے۔ اس کا ہر فعل عدل ہے اور آسمانوں اور زمینوں کے اندر اس کے عدل کی روشن آیات آشکار ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

''تم بہترین اُمت ہو جس کی تشکیل ہی لوگوں کے لیے کی گئی تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہوتی، ان میں مومن بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت دائرۂ ہدایت سے نکلی ہوئی ہے''۔

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

''کُنۡتُمۡ 'کان'' سے ہے جس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: معنوی اعتبار سے یہ زائدہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جملہ میں ''کان'' تامہ ہے اور تیسری صورت اس کی تامہ نہ ہونے کی ہے۔ صورت جو بھی ہو دلالت دوام نسبت پر کی گئی ہے(371)۔

اگر ''کان'' تامہ ہو تو اس صورت میں معنیٰ وقوع اور حدوث کا ہوگا اور وہ خبر کا محتاج نہ ہوگا۔ اُردو میں اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ تمہیں پیدا ہی سب امتوں سے بہتر کیا گیا ہے۔ ترکیب کے اعتبار سے ''خَیۡرَ اُمَّةٍ'' حال واقع ہوگا، یہ بات رازی نے لکھی ہے(372)۔

علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا کہ ''کان'' زائدہ ہے۔ اس صورت میں ''کان'' مذکور ہو یا مخفی کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ ابن الانباری نے اس احتمال کو ضعیف قرار دیا ہے(373)۔

فخر الدین رازی نے یہ احتمال بھی لکھا کہ آیت میں ''کان' صار'' کے معنوں میں لایا گیا ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ تم تمام اُمتوں سے بہترین اُمت ہو گئے ہو، تمہاری تربیت ایسے ہاتھوں سے ہوئی ہے جہاں خیر و رحمت لپک لپک کرنوازتی ہے(374)۔

علامہ شیخ زادہ، رازی، اندلسی اور اسماعیل حقی نے ''کان'' ناقصہ ہونے کا احتمال بھی لکھا ہے، اس صورت میں یہ کہا جاسکے گا کہ وہ لوگ پہلے خیریت کی صفت سے متصف تھے جبکہ اب ان کے اندر یہ صفت نہیں رہی اس اعتراض کا جواب یہ ہوگا کہ ''کان'' ناقصہ ہمیشہ انقطاع صفت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کبھی کبھی دوام پر بھی دلالت کرتا ہے مثلاً ''کان اللّٰہ غفورا رحیما'' میں ''کان'' دوام پر دلالت کررہا ہے(375)۔

''کان'' ناقصہ کی صورت میں دلالتیں

اس عنوان پر فخر الدین رازی کی باتوں کو معاصر مفسر بھترالوی نے خوبصورت کھولا ہے(376):

- ☆ پہلی دلالت معنوی یہ ہوگی تم غلامانِ رسول اللہ تعالیٰ کے علم میں تمام اُمتوں سے بہترین اُمت ہو۔
- ☆ دوسری دلالت معنوی یہ ہوگی کہ جو امتیں تم سے پہلے گزرچکی ہیں تم ان سب سے بہترین اُمت ہو۔
- ☆ تیسری معنوی دلالت یہ ہوگی کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا کہ تم بہترین اُمت ہو۔
- ☆ چوتھی معنوی تطبیق یہ ہوگی تم جب سے ایمان لائے ہو اس وقت سے تم تمام اُمتوں سے بہتر ہو۔
- ☆ پانچواں معنیٰ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جب تمہارے چہرے روشن ہوں گے اور تم سب سے ممتاز ہوگے۔ اس اعتبار سے بہترین اُمت تم ہو۔
- ☆ چھٹا معنیٰ یہ ہے کہ تم دستور حیات کے اعتبار سے بہترین اُمت ہو۔
- ☆ ساتواں معنیٰ یہ ہے کہ ''کُنۡتُمۡ'' سے مراد معین لوگ ہیں۔ حضور ﷺ کے صحابہ اور آپ کی اولاد عترت کہ ان لوگوں کی نسبت کی وجہ تم خیریت پر ہو۔

''خَیۡرَ'' کا مفہوم

''خَیۡرَ'' شرّ کی ضد ہے۔ ہر وہ چیز جس کا نفع عام ہو اور وہ سب کو مرغوب ہو ''خَیۡرَ'' کہلاتی ہے۔ وہ نفع مند شئے جس پر مال کا اطلاق ہوسکتا ہو ''خَیۡرَ'' ہوتی ہے۔ عرب گھوڑوں کو ان کی کثیر منفعتوں کی وجہ سے ''خَیۡرَ'' کہہ دیتے ہیں

(377)۔تاج العروس نے لکھا کہ خوبصورت اور خلیق عورتوں کو ''خیرات'' کہا جاتا ہے(378)۔ابن فارس نے لکھا کہ خیر کا بنیادی اور اساسی معنیٰ میلان اور جھکاؤ کا ہوتا ہے(379)۔راغب اصفہانی نے اختیار کے معنوں میں اسے لیا ہے (380)۔بہت خوبصورت اور خوبیوں والے لوگ ''خیار'' کہلاتے ہیں (381)۔مذہبی ادب میں استخارہ لفظ دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ''خَیرَ'' کا معنیٰ شرف، فضیلت اور کرم کا بھی ہوتا ہے (382)۔عربی زبان میں ''الخیار'' ککڑی کو کہتے ہیں (383)۔قرآن مجید نے ''خیرات حسان'' کا لفظ متناسب الاعضا اور اچھی سیرت رکھنے والی عورتوں کے لیے استعمال کیا ہے(384)۔پرویز نے لکھا کہ دنیا کی خوشگواریاں، خوشحالیاں اور وسعتیں اور اقتدار و اختیار خیر کہلاتا ہے (385)۔لسان العرب نے لکھا کہ خیر ہر وہ چیز ہوگی جس میں نشو نما ہو سکے۔ایسے قوانین اور ضوابط بھی خیر ہوں گے جو تربیت کا نظام بن کر انسانی فلاح و بہبود کی منزلیں طے کروائیں (386)۔واللہ اعلم

خیر اُمت کا مفہوم

ایسی اُمت جس کی نسبت سب سے زیادہ عظیم اور شرافت مآب ہو۔ خوبیوں اور صفات کے اعتبار سے کوئی قوم اس کا مقابلہ نہ کر سکتی ہو۔اس کے پاس ایسا نظام موجود ہو جس سے منفعتوں کا حصول آسان بھی ہو اور کثیر بھی ہو۔ اس میں ایسے لوگ اور شخصیات ہوں جن میں سیرت و اخلاق کی خوشبو زمانوں کو معطر کر دینے والی ہو۔اُمت خیر یقیناً وہ ہوگی جس میں قیادت کا مرکزی کردار موجود ہو جن کی فضیلت و شرافت کی طرف ہر ایک کا دل مائل ہوتا ہو۔اگر ان کے مقابلے میں کوئی دعویدار آئے بھی تو دل اور روح خود بخود ان کی طرف کھنچے۔ حضرت محمد ﷺ سے بزرگ ترین ہستی اللہ کے بعد کس کی ہوگی، آپ ہی کی خوبیوں اور کمالات کی نسبت سے مسلمان خیر اُمت ہیں اور ان کا زمانہ خیر القرون ہے اور انہی کے سینہ پر نازل ہونے والی کتاب کو پڑھنے پڑھانے والے خیر الناس بن جاتے ہیں، اس لیے کہ ان کا وجود ''من ینفع الناس'' کا چشمہ ہوتا ہے اور ''خیر الزاد التقویٰ'' کا پیغام قرآن ہی کا پیغام ہے۔ہر قسم کی خوشگواریاں اور وسعتیں اللہ نے حضور ﷺ کی اُمت کو خیر اُمت کہہ کر ان سے وابستہ کر دی ہیں۔

خیر اُمت انسانیت کے لیے ظاہر ہوئی

قرآن مجید کی اس آیت میں خیر اُمت کا مقصد حیات واضح کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ لوگوں کی فلاح و اصلاح کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔مفسرین نے لکھا کہ ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' کا معنیٰ ظہور ہے یعنی تمہیں ظاہر ہی لوگوں کے لیے کیا گیا ہے، تم سے پہلے دعوتیں اور تحریکیں معصوم بچوں کی طرح تھیں تم پر پہنچ کر نہضت اسلامی پر شباب آ گیا، تم نے تکامل کا ہر مرحلہ طے کر لیا۔ اعتقادی، ایمانی، عملی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے فطرت کی تدبیریں ہلال سے ترقی کر کے بدرِ کامل کا نمونہ بن گئیں۔ذمہ داری کے اعتبار سے اب مسلمانو تم ایسا کوئی نہیں۔ماضی میں ہوا ہے نہ مستقبل کی کسی کی اُمید کی جا سکتی ہے، جیسے تمہارے رسول خاتم النبیّن ہیں ایسے ہی تم خاتم الامم ہو۔ توحید کی امانتیں اب تمہارے سپرد ہیں۔شرک سے منع کرنے والے اب محتسب تم ہو، ارض اللہ پر خلافت کا نظام اب تم نے قائم کرنا ہے، نظام عدل کو برقرار رکھنے والے شہداء بھی تم ہو، تمہارے سر پر اصطفا کا جو تاج رکھا گیا ہے اس میں خیر و خوبی کا ہر موتی جگمگا رہا ہے۔اب تم نے نظام باطل کو چلنے نہیں دینا، نظام حق کے ہر پرزہ کو تحفظ تمہارے وجود نے دینی ہے، تم وہ لوگ ہو جنہوں نے نیکی کے پرچار اور برائی سے منع کرنے کا ایک ایسا فعال نظام بنانا ہے جس کے رگ و پے میں اسلام ہی اسلام ہو۔تم نے اپنے کردار کو ہر زمانے میں اتنا خوشبودار بنا دینا ہے کہ قومیں اور ملتیں تمہاری خوشبو سے اپنے مشام وجود کو معطر کرنے کے لیے تڑپنے لگ جائیں، نہ بھولنے والی بات یہ ہے کہ تم نے یہ تمام کام ایمان کی روشنی میں کرنا ہے۔سچ صرف اسلام ہے، جو ایمان اور اسلام سے جڑ جائے، سچ وہ ہے باقی سب جھوٹ ہے۔جھوٹ دنیا میں ایک ہی مرتبہ جوان ہوتا ہے جبکہ اسلام کے وجود سے سچائیوں کی نسلیں پیدا ہو کر جواں ہوتی رہتی ہیں۔تمہیں اور ہمیں فکر صرف اسلام کی ہونی چاہیے۔

کافروں کو فاسق کیوں کہا؟

کفر اور فسق میں نسبت عموم خصوص مطلق ہے۔ہر کافر فاسق ہوتا ہے لیکن ہر فاسق کافر نہیں ہوتا۔کفر کی جڑ سے بدیوں اور برائیوں کی ہر شاخ پھوٹتی ہے لیکن فسق اگرچہ کفر پر بھی اطلاق پذیر ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی فاسق ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، کہا جا سکتا ہے کہ کفر کی موجودگی میں کوئی خوبی پنپ نہیں سکتی جب کہ فسق کی موجودگی میں ممکن ہے کوئی دوسری خوبی ہو جو فاسق کے اندر آ جائے۔اپنا خیال ہے آیت میں کافرین کو فاسقین کہنا یہ اشارہ رکھتا ہے کہ منکرین صرف اعتقاداً ہی مجرمین نہیں بلکہ انسانی اور عام اخلاقی خوبیوں سے بھی محروم لوگ ہیں، اگر ظاہراً ان کے اندر کوئی خصلت نظر بھی آئے تو ان کا کفر فسق کی فصلیں کاشت کرتا ہے، کبھی دیدہ اور کبھی نادیدہ، وہ کفر کو ترقی دے کر اسلام کے چمن کو نقصان دے رہے ہوتے ہیں۔اصل میں کافروں کو فاسقین کہہ کر قارئ قرآن کو سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ ہر گناہ ایک گندا انڈا ہوتا ہے جو ماحول کو مسموم کر دیتا ہے۔سوچ کا ایک انداز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل کتاب کے لیے کہا گیا کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو یہ اعزازات خیر ان کو بھی مل سکتے تھے پھر ملاطفت کے لیے کہا گیا کہ ان میں سے بعض ایمان لائے بھی اور ان کے کافروں کے لیے بھی کافر لفظ استعمال نہ کیا فاسق کہہ دیا۔یہ بات درست ہے کہ مسلمانوں کو نیکی کا پرچار اور برائی سے منع کرنے والا ہونا چاہیے لیکن رحمت و صداقت کے دریچے بند نہیں کرنے چاہییں۔

واللہ اعلم

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

''وہ تھوڑی بہت اذیت کے سوا تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑے تو بزدلی سے انہیں پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی پھر وہ مدد بھی نہ کیے جائیں گے''۔

بقیہ صفحہ 18 پر

ماہ صفر منحوس مہینہ نہیں

حافظ سخی احمد

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »لاَ عَدْوَى وَلاَ طِيَرَةَ، وَلاَ هَامَةَ وَلاَ صَفَرَ، وَفِرَّ مِنَ المَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الأَسَدِ«

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیماری خود بخود متعدی نہیں ہوتی، بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ ہی مردوں پر الو بولتے ہیں، اور نہ ہی صفر کے مہینے میں کوئی نحوست ہے، کوڑھی کے مریض سے ایسے ہی دور رہو جیسے شیر سے دور بھاگتے ہو۔

(بخاری ومسلم)

"حدیث میں مذکور" صفر" کی شرح میں متعدد اقوال ہیں:

پہلا قول: اس سے مراد ماہِ صفر ہی ہے اور عرب اس مہینے کو منحوس بھی سمجھتے تھے۔

دوسرا قول: یہ پیٹ کی ایک بیماری ہے جو کہ اونٹوں کو لاحق ہو کر پورے باڑے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس صورت میں یہ متعدی بیماری کی اقسام میں سے ایک قسم شمار ہوگی۔

تیسرا قول: اس سے مراد صفر کے مہینے کے ساتھ ہونے والی تقدیم وتاخیر ہے جسے شرعی اصطلاح میں "نسیٔ" کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں ماہِ محرم کی حرمت کو صفر تک مؤخر کر دیا جاتا اور اس طرح کبھی صفر کو حرمت والا مہینہ شمار کرتے اور کبھی عام مہینہ ہی رہنے دیتے۔

ان تینوں اقوال میں سے پہلا مؤقف سب سے راجح ہے کیونکہ دورِ جاہلیت میں لوگ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے۔ حالانکہ تقدیری معاملات میں وقت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، اس لیے ماہِ صفر بھی دیگر اوقات میں سے ایک وقت ہے، اس میں اچھائی برائی سب کچھ معمول کے مطابق ہوتا ہے۔

"لَاصَفَرَ" یعنی صفر کوئی چیز نہیں ہے اس کی شرح میں مختلف اقوال ہیں۔ بکثرت شارحین نے یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت سے لوگوں میں یہ وہم عام تھا کہ صفر کے مہینے میں بلائیں اترتی ہیں، صفر بلاؤں والا مہینہ ہے تو "لَاصَفَرَ یعنی صفر کوئی چیز نہیں" فرما کر ان توہمات (وہمی باتوں) کا رد فرما دیا۔ چنانچہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چار چیزوں کی تردید فرمائی ہے ان تمام کا نچوڑ یہ ہے کہ توکل واعتماد صرف اللہ تعالیٰ پر ہو اور اگر کسی کو ان میں سے کوئی بھی چیز درپیش ہو جائے تو کسی صورت میں بھی کام کرنے سے گریز مت کرے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے کام کو نمٹا دے کیونکہ تاثیر پیدا کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے لہٰذا اس حدیث میں اس بات کی نفی ہے کہ یہ چیزیں خود بخود ایسا کر سکتی ہوں جب تک اللہ کی منشا اس میں شامل حال نہ ہو۔

ماہِ صفر ہجری سال کے بارہ مہینوں میں سے ایک ہے جو کہ محرم الحرام کے بعد آتا ہے، اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس ماہ میں اہل مکہ سفر کرتے تھے اور مکہ میں لوگوں کی تعداد" صفر" ہو جاتی، کچھ کا یہ بھی خیال ہے کہ حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد اس ماہ لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا اور چور اچکے لوگوں کو لوٹ کر انکی جمع پونجی" صفر" کر دیتے تھے۔ (لسان العرب)

اشعۃ اللمعات میں لاصفر کے تحت ہے:

بعض شارحین کے نزدیک مشہور مہینہ مراد ہے جو محرم کے بعد آتا ہے عوام الناس اسے بلاؤں، حادثوں اور آفتوں کے نازل ہونے کا وقت قرار دیتے ہیں، یہ عقیدہ باطل ہے، اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات)

نیز شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہ القوی نزہۃ القاری میں تحریر کرتے ہیں کہ عرب والوں کا دستور تھا کہ لڑنے کے لیے کبھی محرم کو صفر سے بدل دیتے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ پیٹ کی بیماری ہے جیسا کہ امام بخاری آگے چل کر باب باندھیں گے۔

بَابُ لَاصَفَرَ وَهُوَ دَاءٌ يَأْخُذُ الْبَطْنَ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں اس کی نفی فرمائی۔

(نزہۃ القاری)

بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ ہر سال تین لاکھ بیس ہزار مصیبتیں نازل ہوتی ہیں جو کہ سب کی سب ماہِ صفر کے آخری بدھ میں آتی ہیں چنانچہ یہ دن پورے سال میں سب سے زیادہ سخت دن ہوتا ہے جو کہ درست بات نہیں ہے۔

واللہ اعلم

اللہ رب العالمین اپنے پاک محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح معنیٰ میں غلامی نصیب فرمائے۔

آمین

اولیائے دہلی

محمد امین شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار درگاہ قدم شریف سے شاہجہاں آباد کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں ملتا ہے۔ حضرت کا مزار نہایت پرانا اور گنبد زمانۂ قدیم کے طرز پر بنا ہوا ہے۔ حضرت کا نام شاہ امان درویش دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے اور حضرت سید شاہ عبدالغفور عرف بابا کپور رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت کے پیرو مرشد نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو لعل شہباز کا خطاب دیا تھا۔ چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں کہ جس طرح اکسیر ڈالنے سے تانبہ سونا ہو جاتا ہے اور آفتاب کے اثر سے پتھر لعل بے بہا بن جاتا ہے اسی طرح تصور شیخ سے وہ مرید جو شیخ کا منظور نظر ہو لعل شہباز ہو جاتا ہے۔ مرید کو جو عروج حاصل ہوتا ہے وہ صرف شیخ کے طفیل سے ہوتا ہے۔ لعل شہباز ایسا خطاب تھا کہ شیخ کی اکسیر نظر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تانبہ کے وجود کو سونا بنا دیا اور ان کی نظر نے حضرت کے وجود کے پتھر کو لعل بے بہا بنا دیا۔ حضرت سلسلہ عداریہ قلندریہ کے بزرگ ہیں اور جو سلسلہ آپ سے جاری ہوا وہ لعل شہبازی کہلاتا ہے۔ حضرت لعل شہباز نامی ایک بزرگ کا مزار سندھ میں بھی ہے جو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے۔

خدا نما رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خدا نما رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک میر محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ ہے، حضرت بڑے عارف و کامل شیخِ عصر تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ فیض و ارشاد سے ہزاروں آدمی مرتبۂ ولایت کو پہنچے۔ ایک طویل عرصہ تک مسند ارشاد پر بیٹھے طالبانِ خدا کو ہدایت کرتے رہے۔ اسی لیے ''خدا نما'' لقب پایا۔ تارک الدنیا، متوکل، بے ریا، عشق و محبت میں یگانہ تھے۔ ایک جھونپڑی میں پڑے رہتے تھے، اکثر درویش دن رات حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

حضرت نے مجاہدے و ریاضتیں بھی بہت کی ہیں اور استغراق و جذب حضرت کے مزاج پر غالب تھا۔ حضرت نے ربیع الاول 1106ھ میں بادشاہ عالمگیر کے دورِ حکومت میں رحلت فرمائی۔ حضرت کا مزار مقابل محل بوعلی بختیاری ایک چار دیواری میں ہے۔

رسول نما رحمۃ اللہ علیہ

حضرت رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سید حسن رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ولی کامل وصاحب کرامات تھے اور جس کو چاہتے تھے حضور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف کرا دیتے تھے۔ اسی لیے حضرت کا لقب ''رسول نما'' مشہور ہوا۔ حضرت اپنے والدِ ماجد کے ساتھ بخارا سے ہندوستان آئے اور موضع موہاں میں قیام فرمایا، پھر آگرہ تشریف لا کر مسجد جامع کے قریب چلہ کشی فرمائی، پھر وہاں سے نارنول اپنے عمِ بزرگوار میراں تاج الدین شیر سوار چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیض چاہا اور حضرت شیر سوار رحمۃ اللہ علیہ کے حسبِ ارشاد مجاہدے کیے، چنانچہ ان کی توجہ و برکت سے حضرت مجلسِ رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہونے لگے اور اس مجلس میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہوئے اور بطریق اویسیہ فیض حاصل کرتے رہے۔ بیعت ظاہری حضرت موسیٰ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔

درویشوں کی ایک جماعت اور بے شمار طالب علم آپ کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ جو کچھ فتوحات سے آتا تھا سب شام تک صرف کر دیتے تھے، توکل وقناعت حضرت کو اس قدر تھا کہ کبھی کسی امیر کے گھر نہ گئے۔ دولت مند اور صاحب ثروت لوگوں کی آمد و رفت آپ کو پسند نہیں تھی، درویشوں، مسکینوں اور مسافروں کی تیمار داری کرتے تھے اور طالب علموں میں نہایت شفقت سے بیٹھتے تھے۔ ایک بیگم نے اپنے خواجہ سرا کے ہاتھ دو ہزار روپے حضرت کی خدمت میں بھیجے اور درخواست کی کہ اس بندی کو اولاد نہیں ہوتی، ہر مرتبہ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سنتے ہی فرمایا کہ فقیر یہاں اور بیگم وہاں اگر نزدیک ہوتی تو میں اپنا پاؤں رکھ دیتا تاکہ حمل پھر کبھی ساقط نہ ہو سکے۔ خواجہ سرا یہ سن کر خوش ہوا اور بیگم کو جا کر خوش خبری سنائی۔ مقررہ مدت کے بعد بیگم کو بچہ پیدا ہوا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 1103ھ میں عالمگیری دورِ حکومت میں رحلت فرمائی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے مدرسہ کے صحن میں دفن کیا گیا۔ حضرت کا مزار بیرون دہلی پہاڑ گنج کے گوشۂ غرب و جنوب میں واقع ہے۔

شاہ گلشن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک شاہ سعد اللہ اور تخلص گلشن ہے اس لیے شاہ گلشن مشہور ہو گئے۔ حضرت بہت بلند پایہ شاعر اور معاصر مرزا بیدل کے ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالاحد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ کمالات ظاہری و باطنی وعلوم شریعت و طریقت میں جامع تھے۔

ریاضت شاقہ فرماتے تھے اور عموماً جامع مسجد دہلی میں رہتے تھے۔ دو تین دن میں تین لقموں سے زیادہ نہ کھاتے تھے اور دو تین گھونٹ پانی مسجد کے حوض سے پی لیتے تھے۔ اکثر غذا حضرت کی خربوزہ، تربوز، ترکاریوں کے چھلکے ہوتے تھے۔ جو بازار سے جمع کرا لیتے اور دھو کر نوش فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مسجد میں بیٹھے تھے۔ اک طوائف بنی ٹھنی مسجد کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ حاضرین نے عرض کیا یا حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس عورت پر توجہ کیجیے تاکہ یہ راہِ راست پر آ

جائے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تامل کیا، جب یاروں نے اصرار کیا تو حضرت نے توجہ کی، دو گھڑی بعد وہ عورت سر کے بال نوچتی، کمبلی اوڑھے روتی، توبہ کرتی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مرید ہوئی۔

حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت کو اپنے پیرو مرشد سے بے پناہ عقیدت تھی، 30 سال تک حضرت اپنے شیخ کی خانقاہ میں پانی بھرتے رہے۔ جس سے حضرت کے سر کے بال جھڑ گئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت کے پیر نے حضرت کو احمد آباد بھیجا تھا تو پیرو مرشد کی جدائی میں روتے روتے حضرت کی بینائی خراب ہوگئی تھی۔

ایک مرتبہ نواب خاں فیروز جنگ نے حضرت سے کہا کہ سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ جس کو چاہتے تھے حضور ﷺ کی زیارت کرا دیتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مرید بھی اس نعمت کا امیدوار ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نواب خاں سے کہا کہ آج رات کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر حضور رسول اللہ ﷺ کی قدم بوسی کا خیال کر کے سو جانا، نواب خاں نے ایسا ہی کیا اور رات خواب میں حضور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ صبح ارادہ کیا کہ پانچ سو روپے پیرو مرشد کی نذر کروں گا، پھر خیال آیا کہ آج رات کو اور زیارت ہو جائے تو دونوں روز کا نذرانہ اکٹھا لے جاؤں گا۔ دوسری شب کو بھی حضور رسول مقبول ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ مگر نواب خاں صرف پانچ سو روپے لے کر پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے فرمایا یہ تو پہلے دن کا نذرانہ ہے، دوسرے دن کا نذرانہ نہیں لائے۔ نواب خاں نے اپنے وعدہ سے منحرف ہونے کی توبہ کی۔

حضرت 21 شوال 1152ھ میں محمد شاہ کے عہد میں انتقال فرمایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بیرون اجمیری دہلی دروازہ مدرسہ غازی الدین خان کے شمال مغرب میں ایک تہہ خانہ میں ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علوی سد ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ واجداد امرائے نامدار سے تھے اور سلاطین تیموریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ہمیشہ دنیاداری سے الگ تھلگ رہے۔ آپ کو خداوند تعالیٰ کے عشق و محبت کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ علوم ظاہری میں دست گاہِ کامل رکھتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی میں ایک دیوان اور اردو میں بے شمار غزلیں بھی موجود ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ شعرفہمی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بعض اساتذہ کے کلام میں سے شعر منتخب کر کے خریطہ جواہر کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔

کہتے ہیں حضرت بہت ہی حسین و نازک مزاج تھے۔ حضرت پہلے سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا، پھر حافظ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ و خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید عظیم آباد گیا تھا اس کے بھائی نے آ کر کہا کہ سنا ہے وہ قید ہو گیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی رہائی کی دعا کیجئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ قید نہیں ہوا کل اس کا خط آئے گا جو اس نے لکھا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک بوڑھے نے آ کر کہا کہ میں دیکھنے آیا ہوں کہ ظطنہ جان جاناں رحمانی ہے یا شیطانی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ آ گیا۔ تیز نظر سے اس کی طرف دیکھا وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور آواز سے کہا میں نے توبہ کی خدا واسطے مجھے معاف کیجیے، جب اس نے خدا کا واسطہ دیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو شہادت کی آرزو تھی، ایک مخالف نے بندوق سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر فائر کر دیا، دو دن تکلیف سے بے چین رہے اور یہ شعر پڑھتے رہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بادشاہِ وقت نے کہلا بھیجا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ قاتل کا نام بتائیں ہم اس کو کڑی سزا دیں گے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ اس شخص کو سزا دی جائے جس نے میری آرزو پوری کر دی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 9 محرم 1195ھ کو جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت مولانا فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار خانقاہ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔ جو ترکمان دروازہ سے چتلی قبر کو آتے ہوئے داہنی طرف بڑھتی ہے۔

شان عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سید عبد اللطیف متوطن وتالہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد شاہ نصیر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ جب سولہ برس کے ہوئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے اپنے پیرو مرشد شاہ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرانے کے خیال سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی بلایا، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ دہلی پہنچے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت دی کہ تم جہاں چاہو مرید ہو سکتے ہو، حضرت مرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور خلافت کو پہنچے، حضرت اکابر مشائخین، متصوفین متاخرین سے ہیں۔ حضرت مرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے جانشین ہوئے اور ہزاروں تشنگانِ فیض باطن کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سیراب کیا۔

بے شمار کرامات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات با برکات سے وابستہ ہیں۔ ایک عورت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بیماری سے نجاست پانے کی درخواست کی، حضرت اس وقت نان و کباب تناول فرما رہے تھے۔ اس میں سے ایک نان اور تھوڑا کباب اس عورت کو بطور تبرک دیا، جب وہ گھر میں آئی دیکھا تو کباب حلوہ ہو گیا، عورت نے خیال کیا کہ مریض جان بر نہ ہوگا اور ایسا ہی ظہور میں آیا، اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرید مولوی کرامت اللہ درد ذات الجنت میں مبتلا تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درد کی جگہ دست مبارک ملا، اسی وقت درد جاتا رہا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 12 صفر 1240ھ میں اکبر شاہ ثانی کے عہد میں انتقال فرمایا اور اپنے پیر کے برابر مدفون ہوئے۔

شاہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ محمد علی رحمۃ اللہ علیہ مرشدِ کامل، ناصح اکمل، شریعت کے پابند، صاحب سوز و گداز تھے اور ارشاد و ہدایت خلق ضلع گجرات میں مصروف تھے۔ جب وہاں چیت سنگھ نے گاؤ کشی منع کر دی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضور رسول اللہ ﷺ کی مجلس فاتحہ کا اہتمام کیا۔

بقیہ صفحہ 31 پر

لفظ داتا پر اعتراض آخر کیوں؟

ڈاکٹر فیض احمد چشتی

قارئینِ کرام: حضرت سیّدُ نا داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت کم وبیش ۴۰۰ ہجری میں غزنی شہر (مشرقی افغانستان) کے محلہ جلاّب میں ہوئی۔ کچھ عرصے بعد آپ کا خاندان محلہ ہجویر میں منتقل ہوگیا۔ آپ کی کُنیت ابوالحسن، نام علی اور لقب داتا گنج بخش ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب اس طرح ہے: حضرت سیّد علی بن عثمان بن سیّد علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شُجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سیّد زید شہید بن حضرت امام حسن رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہ بن علی کَرَّمَ اللّٰہُ تعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیم۔

(مقدمہ کشف المحجوب مترجم صفحہ نمبر 8 تا 11 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، چشتی)

لفظ داتا

داتا اسماء الحسنیٰ میں نہیں ہے، نہ قرآن میں ہے، حدیث میں بھی تلاش کیا مگر نہ اردو نہ عربی میں ملا۔ لغت میں اردو، عربی۔

داتا کے معنی اور تراجم

فلان أخضرَ (عام) (اسم)۔ فلاں شخص بہت داد و دہش کرنے والا ہے، سخی اور داتا ہے۔ لفظ اللہ اور رحمٰن کے علاوہ اللہ کے باقی صفاتی نام مجازی طور پر غیر اللہ پر بول سکتے ہیں کچھ الفاظ اللہ نے قرآن مجید میں خود بھی استعمال کیے۔ اسی طرح آج کل شور ہے کہ داتا صرف اللہ ہے گنج بخش کو داتا کہنا شرک ہے۔

داتا ہندی کا لفظ ہے معنیٰ ہے دینے والا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے مرید رائے راجو جن کا نام شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ رکھا انہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے ایمان کی دولت نصیب ہوئی تو انہوں نے داتا کہا۔ سورۂ یوسف آپ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ جب یوسف علیہ السلام قید خانہ میں گئے تو دو قیدی بھی ساتھ داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ شراب نچوڑ رہا ہوں آپ نے فرمایا: یسقی ربہ خمرا وہ اپنے ربّ کو شراب پلائے گا۔۔۔ لفظ ربّ نبی استعمال کر رہا ہے بادشاہ مصر کے لئے تو مجھے کہنے دیجیے اگر کافر شرابی بادشاہ کے لیے یوسف علیہ السلام لفظ ربّ مجازی طور پر استعمال کریں تو شرک نہیں اگر ہم ولیِ کامل عالمِ دین آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مجازی طور پر داتا کا لفظ استعمال کر دیں تو بھی شرک نہیں ہے۔

کیا داتا لفظ بڑا ہے یا رب؟

داتا کا مطلب دینے والا ہے۔ دینا خدا کی صفت ہے اور اللہ جس کو چاہے اپنی صفات، شجاعت، سخاوت ودیعت کر دے۔ یہ عطائی صفات ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی یہی صفت یعنی سخاوت حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ میں بدرجۂ اتم موجود تھی، وہ پوری زندگی ایسا کرتے رہے، دیکھنے والے صاحبِ ثروت لوگوں نے بھی اس راہ پر چلنے کی کوشش کی۔

داتا دربار سے گنج بخشی کا سلسلہ ظاہری، باطنی اور روحانی طور پر جاری ہے۔ سرچشمۂ نور و ہدایت تو ذاتِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں، آفتاب تو رسالت مآب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے غلام آفتاب رسالت کے نور سے مستنیر ہو کر رشد و ہدایت کی کرنیں بکھیرتے ہیں۔ نبی کریم کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

> ”بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو کوئی شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا“۔

(ترمذی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اللّٰہُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْس السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَھَّارُ الْوَھَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَکَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّکُوْرُ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْکَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَکِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّھِیْدُ الْحَقُّ الْوَکِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِی الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِي الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاھِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِی الْمُتَعَالُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِکُ الْمُلْکِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِی الْمَانِعُ الضَّآرُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْھَادِی الْبَدِیْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ۔

”العلی“ آسماء الحسنیٰ میں شامل ہے اور یہ نام ”علی“ استعمال میں عام مقبول ہے۔ اسی طرح اکثر آسماء الحسنیٰ پر نام رکھے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے صفاتی نام ہیں جب ”ال“ لگایا جاتا ہے تو اللہ سے مخصوص ہوجاتا ہے، لامحدود معنی میں، ورنہ سادہ محدود عربی نام رہ جاتا ہے۔۔ کسی انسان کا نام مجازی معنی میں ہوتا ہے۔۔ اللہ، ذاتی نام ہے اللہ کا، اس کا کوئی مجازی مطلب نہیں۔ صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے، اللہ، نام کوئی مسلمان نہیں رکھتا جب تک کوئی اور نام ساتھ نہ ہو۔۔ جیسے عبداللہ، اللہ کا غلام۔۔۔ اگر کوئی اللہ پکارا جائے تو شرک بن جاتا ہے۔۔۔ مگر علی، کہیں تو شرک نہیں سمجھا جاتا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے صفاتی ناموں پر (محدود) نام رکھنا ”ال“ کے بغیر جائز سمجھا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ۔ سورۂ فاتحہ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا ربّ ہے۔ قرآن

مجید میں ربّ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کچھ افراد کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں ایک شخص سے بادشاہِ مصر کے بارے میں کہا:

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ

" اور یوسف (علیہ السلام) نے اس شخص سے کہا جسے ان دونوں میں سے رہائی پانے والا سمجھا کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کر دینا (شاید اسے یاد آجائے کہ ایک اور بے گناہ بھی قید میں ہے) مگر شیطان نے اسے اپنے بادشاہ کے پاس (وہ) ذکر کرنا بھلا دیا نتیجۃً یوسف (علیہ السلام) کئی سال تک قید خانہ میں ٹھہرے رہے"۔

(سورۃ یُوسُف، 42:12)

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ

"اور (یہ تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے کہا: یوسف (علیہ السلام) کو (فوراً) میرے پاس لے آؤ، پس جب یوسف (علیہ السلام) کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جا اور اس سے (یہ) پوچھ (کہ) ان عورتوں کا (اب) کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ بیشک میرا رب ان کے مکروفریب کو خوب جاننے والا ہے"۔

(سورۃ یُوسُف، 50:12، چشتی)

مذکورہ بالا آیات میں ربّ کا لفظ بادشاہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔درج ذیل آیت میں ربّ کا لفظ بیک وقت اللہ تعالیٰ اور والدین کے لیے آیا ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

"اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز و انکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا"۔

(سورۃ بَنِیۤ اِسۡرَآءِیۡل، 24:17)

مطلقاً ربّ کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مستعمل ہے کیونکہ وہی ذات حقیقی مربی و مالک ہے اور اسی کی ملکیت و پرورش ساری کائنات پر علی الاطلاق ہے۔مگر مجازاً رب کا لفظ تربیت دینے والے، پرورش کرنے والے اور بادشاہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔داتا تو اسماء الحسنیٰ میں سے نہیں ہے۔۔اس کے کئی مطلب ہیں، دینے والا، سخی، فیاض، رازق، درویش، فقیر، سائیں۔۔اب اس کا استعمال، نیت اور سیاق و سباق سے ہی معلوم ہوسکتا ہے کہ کس معنیٰ میں استعمال ہو رہا ہے۔نیت تو صرف اللہ کو معلوم ہے۔مگر استعمال کرنے والا اگر واضح ہے کہ وہ اللہ کے لیے نہیں بلکہ عام دوسرے معنیٰ میں استعمال کر رہا ہے تو اس پر شرک کا فتویٰ لگانا کیا درست ہوگا؟ یہ تکفیری، خوارج، دہشت گردوں، شرک کے ٹھیکیداروں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی تاویل و تفسیر دوسروں پر تھوپ کر کفر، مرتد، مشرک واجب القتل قرار دے کر خودکش حملے کرتے ہیں۔۔قتل کرتے ہیں۔مسلمان ہر نماز میں اقرار کرتے ہیں کہ:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"۔ (سورۃ فاتحہ)

ایسے شخص کو مشرک کیسے کہہ سکتے ہیں؟ شرک خفی میں کوئی بھی مبتلا ہوسکتا ہے مگر مسلسل استغفار اور ذکر اس کا علاج موجود ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک پر کفر لوٹ گیا یعنی یا تو کہنے والا خود کافر ہوگیا یا وہ شخص جس کو اس نے کافر کہا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

دوسری روایت میں ہے:

"حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جانتے بوجھتے کسی دوسرے کو باپ بنایا تو یہ بھی کفر کی بات ہے اور جس شخص نے ایسی بات کو اپنی طرف منسوب کیا جو اس میں نہیں ہے تو ایسا شخص ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہیے اور جس نے کسی کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کلمہ اسی پر لوٹ آئے گا"۔

(صحیح مسلم جلد اول حدیث نمبر 219، چشتی)

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ "داتا گنج" کے معنیٰ خزانوں کا لٹانے والا، مراد اس سے اللہ تعالیٰ ہے، اس کے آگے بخش لگانے کے بعد حاصل یہ نکلا "اللہ بخش" غالباً حضرت شیخ علی ہجویری اسی لقب کے ساتھ مشہور تھے، اس لیے اس نام میں کوئی حرج نہیں، اور غوث کا لفظ عرف میں قطب اور بہت بڑے ولی کے لیے بولا جاتا ہے، اس لیے اونچے مقام والے ولی کو غوث بھی کہہ سکتے ہیں۔

داتا، غریب نواز یا غوث کہنا کیسا؟

محترم قارئینِ کرام: اکثر شرک کے ٹھیکیداروں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اللہ داتا ہے اس لیے داتا سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہنا شرک ہے، کبھی کہتے ہیں اللہ غوث الاعظم ہے اس لیے غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہنا شرک ہے۔کبھی کہتے ہیں اللہ غریب نواز ہے اس لئے غریب نواز سیّد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کہنا شرک ہے۔یہ القاب، عزت افزائی کے لیے ان ناموں کے ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ حاکم ہے اور احکم الحاکمین بھی ہے، اللہ تعالیٰ مالک ہے اور مالک الملک بھی ہے۔جو اللہ کو احکم الحاکمین تو مانے لیکن اس کے تابع کسی حاکم کو نہ مانے، جو اللہ کو مالک الملک تو مانے لیکن اس کے تابع کسی مالک نہ مانے تو اس کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔اللہ اکبر کا مطلب ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔باقی سب حاکم، سب مالک، سب غوث، سب قطب، اس کے بندے ہیں اور ان بندوں کو یہ اعزازات اس اللہ اکبر نے ہی عطا فرمائے ہیں:

(1) رحیم خدا کا اسم ہے:

ان ربک لھو العزیز الرحیم

"تمہارا ربّ عزیز اور رحیم ہے"۔

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بھی رحیم ہیں۔

لقد جآءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمو منین روءف رحیم

''تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئے تمہاری تکلیف ان کو گراں گزرتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں کے لیے روف اور رحیم ہیں''۔

(2) اللہ کا نام بھی رؤف ہے:

ان ربک لروف الرحیم ۔(نحل ۔7)

''تمہارا ربّ رؤف اور رحیم ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی رؤف ہے:

وبالمو منین رئوف رحیم

(توبہ ۔128)

''اور مومنوں کے لئے وہ رؤف (تکلیف دہ امور ہٹانے والے) اور رحیم'' (راحت رساں امور پہنچانے والے ہیں)۔

(3) اللہ کا نام مومن ہے:

لاالہ الاھو ۔المک القدوس السلام المو من

(حشر ۔23)

'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ قدوس ہے سلام ہے اور مومن ہے بندے بھی مومن ہیں''۔

الذین یقیمون الصلوۃ ومما رز قنھم ینفقون اولئک ھم المو منون حقا

'' وہ نماز قائم کرتے ہیں اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں وہی سچے مومن ہیں۔

(4) اللہ کا نام ولی ہے:

ام اتخذوا من دونہ اولیآء فاللہ ھو الو لہ۔

(شوریٰ ۔9)

''کیا انہوں نے اس کے سوا کارساز بنالیے ہیں؟ ولی تو خدا ہے ۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ولی ہیں''۔

انما ولیکم اللہ ورسولہ ۔(مائدہ)

''تمہارا ولی اللہ ہے، اس کا رسول'' ۔(5)

علیم اللہ ہے:

نرفع درجت من نشاء ان ربک حکیم علیم۔ (انعام ۔83)

'' ہم جسے چاہتے ہیں درجے بلند کردیتے ہیں بے شک تمہارا رب حکیم اور علیم ہے''۔

یوسف علیہ السلام کا نام بھی علیم ہے:

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم ۔(یوسف ۔58)

'' یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجیے کیونکہ میں حفاظت کرنے والا علیم ہوں''۔

ان حوالہ جات کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

ربّ بھی رحیم ۔۔۔محمد ﷺ بھی رحیم

ربّ بھی رؤف ۔۔۔مصطفی ﷺ بھی رؤف

اللہ مومن ۔۔۔بندہ بھی مومن

اللہ ولی ۔۔۔بندہ بھی ولی

اللہ علیم ۔۔۔بندہ بھی علیم

اللہ حفیظ ۔۔۔بندہ بھی حفیظ

اللہ سمیع ۔۔۔بندہ بھی سمیع

دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے میں نے پوچھا: بون آف کنٹنشن کیا ہے؟ کہنے لگا یہ علی کو مشکل کشاء کہتا ہے مشکل کشاء صرف اللہ ہے، حاجت روا صرف اللہ ہے۔ میں نے پوچھا جناب کیا مشکل صرف اللہ دور کرتا ہے؟ بولے ہاں میں نے کہاں بھوک لگی تھی آپ گھر گئے ۔فوراً بیوی نے روٹی پکا کردی ۔آپ نے کھائی ۔جان میں جان آئی ۔ایک مشکل تو آپ کی بیوی نے بھی حل کردی آپ دیوالیہ ہونے لگے، آپ کی کروڑوں کی جائیداد بکنے لگی ۔مگر ایک دوست نے آپ کی مطلوبہ رقم پہنچا دی اتنی بڑی حل ہونے پر مشکل کشاء پکار اٹھے تو کیا قیامت ہے؟ وہ مجھے کہنے لگے مشکل کشاء صرف اللہ کو کہیں گے ۔میں نے کہا ٹھیک ہے اب اپنے بیان پر قائم رہنا ۔جو اللہ ہے وہ بندہ نہیں ہوسکتا یہی ہے ناں تمہارا مطلب؟ وہ بولا ہاں ۔اللہ رحیم ہے تو بندہ رحیم اللہ مومن ہے بندہ بھی مومن اللہ کو ولی کہتے ہیں بندہ کو بھی ولی کہتے ہیں بولو کہنے والا مشرک ہوگا؟ رحیم اللہ کا نام ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دیا تو کہنے والا مشرک ہوگا؟ میں نے آیات بھی پڑھیں وہ خاموش ہوگیا۔

میں نے کہا سن تجھے بتاؤں: اللہ رحیم ہے ذاتی طور ہر۔۔۔۔۔بندہ رحیم عطائی طور پر، اللہ ولی ہے ذاتی طور پر۔۔۔۔۔بندہ ولی ہے عطائی طور پر، اللہ علیم ہے ذاتی طور پر۔۔۔۔۔بندہ علیم ہے عطائی طور پر، اللہ حفیظ ہے ذاتی طور پر۔۔۔۔۔بندہ حفیظ ہے عطائی طور پر، فرق ہوگیا ناں؟ اگر کوئی آدمی بندے کو مجازی طور پر مشکل کشاء کہنے سے کافر ہوجاتا ہے کیونکہ مشکل کشاء اللہ ہے تو پھر رحیم نبی کو کہا تو بھی کافر ہونا چاہیے ۔علیم کہو تو کافر، ولی کہنے سے بھی کافر، اگر کافر ہوگا تو پھر اللہ نے رحیم، علیم، حفیظ، سمیع، ولی، مومن باوجود یکہ اس کے نام ہیں بندوں کو ان ناموں سے کیوں مخاطب کیا ہے؟ اگر غیر اللہ کو علیم، حکیم، حلیم، کریم، حفیظ، سمیع ولی، مومن کے اسماء سے پکارنے والا کافر نہیں ہوتا تو اسی طرح مجازی طور پر کسی کو مشکل کشاء کہنے سے بھی آدمی کافر نہیں ہوتا۔

اسی طرح عدد ایک بھی ہے ۔کوئی پوچھے اللہ کتنے ہیں؟ آپ فوراً کہتے ہیں اللہ ایک ہے اور یہی ایک آپ باپ کے ساتھ بھی استعمال کرتے ہیں ۔جب کوئی پوچھے کہ تمہارے باپ کتنے ہیں تو آپ کہتے ہیں ایک ہے باپ ایک ہے کیا آپ کے نزدیک مشرک نہ ہوگا؟ رسول اکرم شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوامامہ صحابی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

لاتجالس قدریا ولا مرجیا ولا خارجیا انھم یکفون الدین کما یکفاء الاناء و یغلون کما غلت الیھود والنصاریٰ

''اے ابوامامہ تو کسی قدری، کسی مرجی، کسی خارجی کے پاس مت بیٹھ (یہ تینوں اسلام کا دعویٰ کرنے والے کلمہ پڑھنے والے گمراہ فرقوں کے نام ہیں) اور فرمایا یہ مسلمان کہلانے والے گمراہ لوگ یہ دین کو یوں الٹ دیتے ہیں جیسے کہ برتن کو الٹ دیا جاتا ہے اور یہ بد مذہب لوگ دین میں ایسا غلو کرتے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے دین میں غلو کیا ہے''۔

یہودیوں نے جو دین میں غلو کیا اس کی ایک مثال جیسے قرآن مجید میں ہے:

وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء۔

(سورۂ مائدہ)

''یہودی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس سب

کچھ ہے لیکن وہ کسی کو دیتا کچھ نہیں ان یہودیوں کے ہاتھ بند ہو جائیں اور ان پر ایسا کہنے کی بنا پر لعنت ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں دست کرم کھلے ہیں وہ جس کو چاہے جتنا چاہے عطا کرے''۔

یوں ہی ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سب کچھ ہے مگر وہ کسی کو دیتا کچھ نہیں نہ وہ کسی کو غوث بنا سکتا ہے نہ داتا گنج بخش بنا سکتا ہے نہ کسی کو گنج شکر بنا سکتا ہے نہ کسی کو غریب نواز بنا سکتا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسا دین میں غلو کرنے والوں سے بچائے رکھے آمین۔

خارجی دنیا کی بدترین مخلوق ہیں بتوں کی مذمت میں نازل ہونے والی آیات اہل ایمان پر چسپاں کرتے ہیں: کچھ نادان لوگ جہاں کہیں ''مِن دُونِ اللهِ'' کے الفاظ دیکھتے ہیں قطع نظر اس سے کہ وہاں کیا بیان کیا گیا ہے اس کا اطلاق بلا استثناء انبیاء و رسل عظام علیہم السلام اور اولیاء و صلحاء علیہم الرحمہ پر بھی کر دیتے ہیں۔ ان کی اس جاہلانہ روش سے قرآنی احکام کے بیان کی طرف سے اصل توجہ نہ صرف ہٹ جاتی ہے بلکہ خدا کے محبوب اور مقرب بندوں کی تنقیص شان بھی واقع ہوتی ہے جو نہ شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہے اور نہ خود ذاتِ باری تعالیٰ کا منشا و مقصود۔ قرآنی الفاظ کا عموم ہو یا خصوص، ضروری ہے کہ ان کے استعمال کا اصول اور اسلوب ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے۔ اگر یہ بنیادی پہلو ہی نظر انداز ہو گیا تو اس غلط تفسیرِ قرآن سے گمراہی کے دروازے کھل جائیں گے۔

خوارج کا طریق بھی یہی تھا کہ اصل مدعا کو سمجھے بغیر الفاظ کے ظاہری عموم کی بناء پر قرآنی حکم کا ہر جگہ اطلاق کرتے تھے خواہ وہ اطلاق قطعاً غیر موزوں اور غلط ہی کیوں نہ ہوتا۔ خوارج کے بارے میں منقول ہے:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرماتے تھے: یہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق اہلِ ایمان پر کرتے ہیں''۔ (صحیح البخاری صفحہ 1714 کتاب استتابۃ المرتدین مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت) (بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین و المعاندین وقتالہم، باب قتل الخوارج والملحدین، 6: 2539، چشتی) (ابن عبد البر، التمہید، 23: 335) (ابن حجر عسقلانی، تغلیق التعلیق، باب قتل الخوارج والملحدین، 5:259)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اس لیے اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے کہ وہ ان آیات کو جو کفار و مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں، اہلِ ایمان پر منطبق و چسپاں کر کے انہیں کافر و مشرک ٹھہراتے تھے۔ اس لیے آیات اور الفاظِ قرآنی کا اصل مورد و محل جانے بغیر انہیں اس طرح بے باکی کے ساتھ ہر جگہ استعمال کرنا بذاتِ خود ایک بہت بڑی گمراہی ہے۔ قرآن کے ہر طالب علم کا اس گمراہی سے بچنا ضروری ہے یعنی جیسے کافروں بت پرستوں کے معبود بت نکمے ناکارے کچھ نہیں کر سکتے یوں ہی ولی نبی کچھ نہیں کر سکتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بچائے۔ آمین

بقیہ: ''تبصرہ وتذکرہ''

آیت میں تین بشارتیں ہیں

مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے خیرِ اُمت کے منصب پر فائز ہونے کی شرط پوری کی یعنی نیکی کا حکم دیتے رہے، برائی سے منع کرتے رہے اور ایمان کی حرارت اپنے وجود میں قائم رکھی تو اللہ تعالیٰ تمہیں تین نعمتوں سے مالا مال کرتا رہے گا۔

☆ اول تو یہ کہ دشمن تمہیں ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے ہاں معمولی ایذیتوں کا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے یعنی طعن و تشنیع، خفیہ چالیں اور نفسیاتی حربوں سے معمولی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

☆ دوسری بشارت یہ ہے کہ دشمن اگر میدان جنگ میں مقابلے کے لیے اتریں گے تو انہیں شکست ہوگی۔

☆ اور تیسری بشارت یہ ہے کہ دشمن بے یار و مددگار رہیں گے اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

آیت میں صاف، صریح اور دوٹوک اشارہ موجود ہے کہ مسلمان اپنی اُمت ہونے کی فکر مضبوط کریں۔ تشتت اور تفرقہ سے بچیں، اپنی صفوں میں اتحاد اور وحدت پیدا کریں اور دعوتی، اصلاحی اور اسلام کی تنفیذی کوششوں کو تیز کریں۔ اس وقت تبلیغ کا سارا کام فرقہ وارانہ دباؤ میں ہو رہا ہے جب کہ کامیابی اُمت کی سطح پر خیرِ اُمت ہونے کی شرط پوری کرنے کے ساتھ مربوط کر دی گئی ہے۔

واللہ اعلم

حوالہ جات

(362) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی (363) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(364) کنز الثمین: محمد بن صالح (365) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(366) الجامع: قرطبی ورازی
(367) کنز الثمین: محمد بن صالح
(368) معانی القرآن: زجاج
(369) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً کبیر ایضاً اعراب القرآن
(370) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی (371) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(372) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی (373) الجامع لاحکام: قرطبی
(374) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(375) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً اندلسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً رازی
(376) تفسیر کبیر: رازی ایضاً نجوم الفرقان
(377) التحقیق فی کلمات القرآن: مصطفوی (378) تاج العروس: زبیدی حنفی
(379) لغات القرآن: پرویز (380) المفردات: راغب اصفہانی
(381) تاج العروس: حنفی (382) لسان العرب: زبیدی حنفی
(383) لغات القرآن: پرویز (384) تاج العروس: حنفی
(385) لغات القرآن: پرویز (386) لسان العرب: ابن منظور

قرآنی آیات اور حکمتوں کی روشنی میں
سوال و جواب

حکمتِ قرآن

چوتھی قسط

مفسر قرآن مفکر اسلام پیر سید ریاض حسین شاہ جی اے آر وائے کیو ٹی وی کے زیر اہتمام اتوار کی شب 7 بجے ''حکمت قرآن'' کے عنوان سے نشر ہونے والے ایک پروگرام میں قرآنی حکمتوں اور اسرار و رموز کے پیش بہا موتی اپنے ناظرین و سامعین کو عطا کرتے ہیں۔ اس پروگرام میں میزبانی کے فرائض ملک کے معروف نقیب قاری محمد یونس قادری سرانجام دیتے ہیں۔ پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے ان علمی و روحانی خزائن کو ماہنامہ ''دلیل راہ'' کے سامعین کے لیے قرطاس پر منتقل کرنے اور آپ تک پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

آیئے!!! شاہ جی کی ان نور نور اور حکمت افروز قرآنی تبرکات سے مستفید ہوتے ہیں۔

شعاع وشعلہ

سوال 1:۔ اسلام کا نظام عبادت۔ سورۂ فاتحہ کی روشنی میں گفتگو فرمائیں۔

جواب: پہلے تو ہم یہ جانیں گے کہ ''عبادت'' کیا ہے۔ لفظِ عبادت، لفظ تعبید سے نکلا ہے اور یہ باب تفعیل ہے۔ لفظ تعبید کی تعبیر میں ائمہ لغت کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ

کسی جانور کو سہلانا، سکھانا یا تربیت دینا۔ یہ عمل، عملِ تعبید کہلاتا ہے۔ مثلاً آپ طوطے کو باتیں کرنا سکھاتے ہیں تو کہتے ہیں ''میاں مٹھو چوری کھائے گا یا نہیں'' تو بہت محنت کے بعد وہ چند لفظ ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تو یہ سکھانا، عملِ تعبید ہے۔ اس کو ایک اور مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ یکّہ میں گھوڑے کے پیچھے بعض اوقات ایک چھوٹا جانور باندھ دیا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا جانور تربیت پالے کہ بوجھ کس طرح سے کھینچا یا اٹھایا جاتا ہے۔ عبادت میں انسان بھی اپنے تن، من اور دھن کا نذرانہ اپنے معبود کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

دوسرا قول:

سڑک بناتے ہوئے، پتھروں کو کوٹ کر راستہ ہموار کیا جاتا ہے اس لیے کہ سہولت کے ساتھ چلا جا سکے۔ یہ بھی تعبید ہی کی تعبیر ہے۔

تیسرا قول:

عربوں کے ہاں ایک بوٹی پائی جاتی ہے جسے ''عبد'' کہتے ہیں۔ یہ بوٹی کانٹے دار اور خوشبودار ہوتی ہے۔ اگر نر اونٹ یہ کھالے تو فربہ ہو جاتا ہے اور اگر مادہ اونٹنی کھالے تو اس کا دودھ کثیر ہو جاتا ہے۔ اس ''عبد'' بوٹی میں اتنی کشش ہوتی ہے کہ اونٹ اگر 15 میل کے فاصلے سے بھی اس کی خوشبو سونگھ لے تو وہ رسیاں تڑوا کر کے اس کی طرف بھاگا چلا جاتا ہے۔

عبد بوٹی کی تین صفات ہمارے سامنے آئیں:

1) عبد بوٹی خوشبودار ہوتی ہے۔

2) اونٹ، اس کے کھانے سے فربہ ہوتا ہے۔

3) اس کے کھانے سے اونٹنی زیادہ دودھ دیتی ہے۔

اس پر زبیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تاج العروس میں لکھتے ہیں کہ بندہ جس وقت عبادت کرتا ہے تو وہ مصنوعی نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کے اندر کسی ذات کی کشش ہوتی ہے۔ بندہ وہ کشش محسوس کر کے اپنے معبود کو تلاش کر لیتا ہے۔ جب اس کی تشفی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے معبود کے کلمے پڑھتا ہے۔ جیسے بوٹی، اونٹ کو طاقت ور کر دیتی ہے۔ اگر انسان نظامِ عبادت پوری طرح اپنا لے تو یہ آدمی کو صحت مند بنا دیتا ہے، تازگی دیتا ہے، سلامتی دیتا ہے، دل کو مطمئن کرتا ہے، ذہن کو فرحت دیتا ہے اور روح کو دل کش بنا دیتا ہے۔ تیسری چیز، عبد بوٹی سے اونٹ میں دودھ بڑھ جاتا ہے تو نظامِ عبادت کی بہتری سے اللہ تعالیٰ بندے کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرماتا ہے جن کا تصور بھی وہ نہیں کر سکتا۔

ان تینوں معانی کو سامنے رکھ کر ہم یہ جانیں گے کہ اگر اس کو تربیت کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

ہمیں عبادت اللہ تعالیٰ کی کرنی ہے اور اسوۂ حسنہ رسول کریم ﷺ کا اپنانا ہے۔ اسی لیے ربّ کریم نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

''تمہارے لیے بہترین نمونہ رسول کریم کی ذات میں ہے''۔

عبادت صرف اللہ ہی کی ہے۔ معبود وہ ہو سکتا ہے، جس میں عطا کرنا ہو۔ بے جان پتھر یہیں سے ہی نکل جاتے ہیں۔ بھلا پتھر کسی کو کیا دے سکتے ہیں؟ ربّ وہ ہوتا ہے جو عطا کرنے والا ہو، کمال رکھنے والا ہو اور تمام صفات کمالیہ اس میں موجود ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کے لفظ بتاتے ہیں کہ صفات کمالیہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہیں۔

تیسری چیز، احسان ہے کہ خدا وہ ہوتا ہے جو خزانے بانٹنے والا ہو۔

چوتھی چیز، اس میں ربوبیت کا جوہر ہو۔ یعنی وہ کسی کو پال کر کمال تک پہنچائے بھی۔

پانچویں چیز، بندہ نوازی، انسان نوازی اور حاجت روائی ہے کہ خدا وہ ہوتا ہے جو کسی کی حاجتیں پوری کرے۔

چھٹی چیز، وہ اپنی بنائی ہوئی کائنات پر قدرت رکھتا ہو۔

ساتویں چیز، اس کا علم بھی ذاتی ہو۔

آٹھویں چیز، وہ دل کی دھڑکنوں کی رفتار بھی جانتا ہو اور روح کی تڑپ بھی جانتا ہو۔ وہ آنکھوں کی منزل بھی جانتا ہو۔ جب بنانے والا وہ ہے تو وہ جانتا بھی ہے۔

نویں چیز، حیات اس کی صفت ہے۔ جو مر جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ جو پہلے نہ ہو، بعد میں ہو وہ خدا نہیں ہوتا۔ خدا کی صفت ''الحی القیوم'' ہونا ہے۔

دسویں چیز، وہ سراپۂ رحمت ہو۔

قسم حضور ﷺ کی نوازش کی، جس وقت ہم معبود ڈھونڈیں گے تو ہمیں ربّ محمد ﷺ ہی سچا خدا اور معبود نظر آئے گا۔ اس وقت مذاہب خود مذہب کے ماننے والوں کے ہاتھوں بکھر گئے ہیں۔ انسان پریشان نظر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت صرف مسلمانوں کو دی ہے کہ مسلمان خلوتوں اور جلوتوں میں فخر سے بیٹھ کر کہتے ہیں کہ ہمارا معبود اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور محبوب ہمارے رسول کریم ﷺ اور ان کے اصحاب، ان کے اہل بیت اطہار، اولیاء کاملین اور صالحین، خدا کے راستے کے روشن نشان ہیں جو ہمیں خدا تک پہنچاتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں نظامِ عبادت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

☆ نماز ایسی ہو کہ بندے کی زندگی میں اس حوالے سے غفلت نہ ہو۔

☆ آدمی روزہ ایسا رکھے کہ غیبت نہ کرے اور اس کی زبان اور اس کا ذہن صاف ستھرا ہو۔

☆ آدمی صدقہ ایسا دے کہ جس صدقے کے بعد احسان نہ ہو۔

☆ آدمی صبر ایسا کرے کہ اس میں شکایت نہ ہو۔

☆ آدمی کا یقین ایسا ہو کہ جس میں وسوسہ نہ ہو اور شک و شبہ نہ ہو۔

☆ شہود ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں کوئی داخل نہ ہو۔ بندہ سراسر حضوری میں رہے۔

☆ اس کے اندر ایصال آجائے۔ وہ ایسا جوڑنے والا ہو کہ اس میں توڑنا نہ ہو۔

سورۃ الفاتحہ میں جس وقت ہم کہتے ہیں:

''ایاک نعبد''

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں''

تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ساری کائنات ہمارے ہاتھوں سے بہہ کر کہیں دور چلی گئی ہے بس ایک ہم ہیں اور ایک ہمارا خدا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ جس طرح سجدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشانی رکھ دینا ہوتا ہے، یہ بھی عبادت ہے۔

علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم کے اندر فرماتے ہیں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوت قرآن، اللہ کا ذکر، طلب حلال، مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا، اتباع سنت، اور رسالت مآب ﷺ پر خلوت وجلوت میں درود پڑھنا ہے، یہ سب وہ چیزیں ہیں کہ جب ایک شخص کی زندگی میں یہ چیزیں آجائیں تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عبادت کا تحفہ عطا کر دیا ہے۔

سوال 2: اللہ سے مدد چاہنے سے مراد کیا ہے؟

جواب: ''**ایاک نعبد**'' میں ''**نعبد**'' بعد میں ہے جب کہ ایاک پہلے ہے۔ اس کو فن کی زبان میں، فاعل سے مفعول کا مقدم ہونا کہتے ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی اور قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ جس وقت مفعول، فاعل پر مقدم ہو جائے تو وہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

التفسیر المنیر میں علامہ الزحیلی لکھتے ہیں کہ ایاک کو مقدم اس لیے رکھا گیا کہ اس حصر کا فائدہ یہ ہے کہ ''**نعبد**'' بعد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کی زبان سے پہلے کہلوایا اور تیری ہم عبادت کرتے ہیں۔ یعنی ''تیری'' کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر پہلے فرمایا اور بعد میں عبادت کرنا، ذکر ہوا۔ اس کی معنویت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا ذکر بندے کی زبان پہ جاری فرمایا۔ اس لیے کہ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی لذت محسوس ہوگی اور وہ عبادت میں جائے گا تو اس کی زبان خشک نہیں ہوگی بلکہ اس کی عبادت بڑی لذت والی اور لطافت والی ہوگی۔ اس سے یہ سبق بھی سیکھا جاسکتا ہے کہ بندے کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے اور ان اللہ والے لوگوں کی صحبت تلاش کرنی چاہیے جن کی صحبت میں رہ کر اس کا دماغ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگ جائے۔

علماء کہتے ہیں ''**ایاک نعبد**'' میں نون کا معنیٰ عظمت کا ہے۔ رب کریم نے یہاں یہ بات ودیعت فرمائی کہ دنیا میں تم عظمت عظمت، فضیلت فضیلت، اور بڑائی بڑائی کا ذکر کرتے رہتے ہو تو میں تمہیں راستہ بتا دیتا ہوں جس سے تم عظیم بن سکتے ہو۔ اس سے کم ظرفیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ ربّ کریم نے فرمایا:

پہلے مجھے یاد کرو۔۔۔

میرا ذکر کرو۔۔۔

میرے سامنے کشکول طلب رکھو!

پھر کہو: ''**نعبد**''

پھر یہی عبادت تمہیں عظمت دے گی۔۔۔

یہی عبادت تمہیں عزت دے گی اور دوسروں سے بڑا کرے گی۔۔۔

انسان جتنا عاجز ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتا ہے، اس کی عظمت کے پھریرے اتنے ہی عرش معلٰی پر لہرانے لگ جاتے ہیں۔ سارے جہانوں سے کٹ کر ''ایاک'' اللہ تعالیٰ سے جڑ جانا، یہ بڑا فضیلت والا مقام ہے۔ یہ کیفیت بخت مند لوگوں میں ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ جس وقت آپ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگیں تو پہلے اسے یاد کریں۔ پھر آپ جس وقت اسے یاد کریں تو اس کی حمد بیان کریں۔ تو ربّ کریم اپنے ذکر کو مقبول بنا کر، آپ کی دعا کو بھی مقبول بنا دے گا۔ مثلاً کوئی مانگنے والا بھی جب سوال کرتا ہے تو وہ سوال کرنے سے پہلے جس سے کچھ مانگتا ہو اس کے ماں باپ اور بچوں کو دعائیں دیتا ہے۔ تو آدمی اس کو کچھ نہ کچھ دے ہی دیتا ہے۔ اللہ ''**لم یلد و لم یولد**'' کی شان رکھتا ہے لیکن جس وقت اس سے مانگتے ہوئے، اس کے پیاروں کا ذکر کیا جائے تو ربّ کریم بھی کشکول طلب بھر دیتا ہے۔

سوال نمبر 3: ''ایاک'' میں مخاطب کا صیغہ ہے غائب کا نہیں۔ اس میں کیا راز ہے؟

جواب: ''ایاک'' میں جمع کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ''ہم''۔ بندے کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ میں اکیلا ہی اللہ کے سامنے جھکا ہوں۔ میرے استاد محترم شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ عبد الغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہاں جمع کا صیغہ اس لیے آیا ہے کہ بندہ جتنی بھی عبادت کر لے وہ ناقص ہی ہوتی ہے۔ اس کو کامل عبادت ہونے کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ تو وہ عاجزانہ طور پر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی جمع کر لیتا ہے کہ جب ان کی عبادت قبول ہو گئی تو میری بھی قبول ہو جائے گی (ک) مخاطب کا صیغہ ہے۔

بقیہ صفحہ 23 پر

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت
امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

"ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑے رہو"

یہ وہ آہِ جگر پاش ہے، یہ وہ نالۂ دلدوز ہے، وہ آوازۂ پُرسوز ہے، یہ وہ صدائے دردناک ہے، یہ وہ نعرۂ بے باک ہے، یہ وہ کلمۂ باطل شکن ہے، یہ وہ ترانۂ روح نواز ہے، یہ وہ نغمۂ دلگداز ہے، یہ وہ انتباہِ بروقت ہے، یہ وہ پیغامِ حیات ابدی ہے جو امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قادری قدس سرہ کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلا اور ملت اسلامیہ کے سینہ کو چیر کر نکل گیا۔

موجودہ صدی ہجری کا آغاز برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے شدید ابتلاء اور آزمائش کا دور تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کی غربت اور بدحالی کا آغاز برصغیر میں فرنگی تسلط اور 1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں ذلیل و رسوا کرنے کی جو عام پالیسی اختیار کی اس سے ہندوؤں نے جی کھول کر فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی رہی سہی قوت عملی اور حسِ اجتماعی کو ختم کرنے کے لیے کئی طرح کی چالیں چلیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے جداگانہ ملی تشخص اور منفرد تہذیبی وجود کو بالکل ختم کر دیا جائے اور انہیں متحدہ ہندی قومیت کے طلسم ہوشربا میں گرفتار کر کے علیحدہ اسلامی قومیت کے احساس اور جذبہ سے کلیۃً محروم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہندو مسلم اتحاد کی تحریک شروع ہوئی اور مسلمانوں کو ہندوؤں اور خود اپنے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کے بااثر گروہ کی طرف سے تلقین کی جانے لگی کہ وہ امن عامہ کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر اور آزادیِ وطن کے حصول کے لیے ہندوؤں سے بھرپور تعاون کریں اور ان کی رضا و خوشنودی کے لیے اپنے بعض مذہبی احکام اور تہذیبی شعائر سے دست بردار ہو جائیں مثلاً گائے کی قربانی اہل اسلام کا بہت بڑا شعار ہے جسے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی نے ہندوستان میں اعظم شعار اسلام قرار دیا تھا اور اس کے تحفظ و بقا کے لیے وقت کی تمام استبدادی قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہو گئے تھے۔

تین سو سال بعد پھر برصغیر میں اسی قسم کے حالات پیدا ہو گئے تھے مسلمانوں کو عید قربان کے موقعہ پر گائے کی قربانی سے برابر روکا جا رہا تھا۔ جو مسلمان اپنے مذہبی اور ملی وقار کو برقرار رکھتے ہوئے گائے کی قربانی کی جرأت کرتے ان کی جان و مال خطرے میں پڑ جاتی۔ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کی پیشانیوں پر بھی قشقہ کھینچا جاتا اور مسلمان ہندو تہواروں کو تقدس واحترام کے ساتھ مناتے، ظاہر ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کے وہ سیاسی و مذہبی رہنما جو مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ غیر مشروط تعاون کرنے اور مشترکہ جدوجہد کے ذریعے آزادی کی منزل کو قریب لانے کی نصیحت کر رہے تھے وہ کس قدر گم کردہ راہی اور ناعاقبت اندیشی کا شکار تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ بعد میں جب برصغیر میں الگ اسلامی مملکت کے قیام کی تحریک شروع ہوئی تو ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ الاپنے والوں جن کے قلب و نظر کو گاندھی کی بھیانک آندھی نے پوری شورشوں کے ساتھ اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور جو اسلامی علوم وفنون کے مراکز میں کلیدی عہدوں پر سرفراز تھے پاکستان کی بھرپور مخالفت شروع کر دی اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر متحدہ ہندی قومیت کا نعرہ لگایا۔ چونکہ ان علماء کو عام مسلمانوں میں اثر و رسوخ حاصل تھا اس لیے ان کی علمی گرفت کے بغیر اسلامی اساس پر الگ مملکت کا قیام بہت مشکل تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی ایسا عالم دین جس کی دینی و عملی حیثیت مسلّمہ ہو اور علماء کا کوئی ایسا بااثر گروہ سامنے آئے جو ان مشکل حالات میں مسلمانوں کی صحیح دینی قیادت کرے اور انہیں ہندو مسلم اتحاد کے پس پردہ ہونے والی اس بھیانک سازش کے خطرناک مضمرات سے آگاہ کرے۔

یہ عظیم الشان کارنامہ امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی اور ان کے عظیم رفقاء نے سر انجام دیا۔ انہوں نے نہ صرف ہندو لیڈروں بالخصوص مسٹر گاندھی کی چالوں سے خبردار رہنے کی تاکید کی بلکہ یہ بھی کہا کہ وہ آزادی وطن کے حصول کے شوق میں کسی سازش کا شکار ہونے سے بچے رہیں جس کا نتیجہ مسلمانوں کے لیے اپنے مذہبی احکام اور تہذیبی شعار کی ادائیگی سے محرومی کی صورت میں نکلتا ہو۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ جب حصول آزادی کی جدوجہد کے ابتدائی مرحلے میں ہی مسلمانوں کو مذہبی احکام کی ادائیگی سے روکا جا رہا تھا تو بعد میں آزادی حاصل ہونے پر جو حکومت ہندوؤں کی سرپرستی میں قائم ہوتی وہ اس سے بھی زیادہ تباہ کن اقدامات کرنے سے گریز نہ کرتی ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ حالت زار اس کا بین ثبوت ہے۔ یہی وہ خطرہ تھا جسے علامہ اقبال اور قائد اعظم نے بھانپ لیا تھا اور اس لیے انہوں نے کانگریس سے الگ ہو کر برصغیر میں ایک جداگانہ اسلامی مملکت کے قیام کی تحریک چلائی جو 27 رمضان 1367ھ 14 اگست 1947ء کو پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آئی جو دنیا میں پانچویں بڑی

ریاست اور سب سے بڑی اسلامی مملکت تھی۔

مولانا احمد رضا خان اور آپ کے رفقاء نے حصول آزادی اور پاکستان کی جدوجہد میں جس طرح نیشلسٹ علماء کے فسوں کے پردہ کو تار تار کیا اس کی بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر علامہ اقبال پاکستان کے نظریاتی باپ اور قائد اعظم پاکستان کے سیاسی باپ ہیں تو امام اہل سنت احمد رضا پاکستان کے روحانی باپ ہیں کہ ان کے عظیم رفقاء کے تعاون کے بغیر پاکستان کی عظیم اسلامی مملکت کبھی عالم وجود میں نہ آتی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کی ولادت 10 شوال 1272ھ 14 جون 1857ء کو ہفتہ کے روز بوقت ظہر بریلی، یوپی کے محلہ جسولی کے مقام پر ہوئی جہاں آپ کا آبائی مکان تھا۔آپ کے جد امجد حضرت مولانا شاہ رضا علی خان نے بھی اسی مکان میں زندگی گزاری تھی آپ کا پیدائشی نام محمد رکھا گیا۔جد امجد حضرت مولانا رضا علی خان نے احمد رضا کہہ کر پکارا اور تاریخی نام آپ کا المختار ہے۔آپ کے والد مولانا شاہ نقی علی خاں علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ میں بہرہ کامل تھے آپ کا بچپن ہر آلائش سے پاک تھا۔اس پاکیزگی میں کچھ تو آپ کی فطرت ہی کو دخل تھا کچھ گھریلو مذہبی اور ماحول علمی کا اثر تھا۔آپ عام لڑکوں سے قطعاً مختلف تھے کھیل کود، تضیع اوقات، اور ہرزہ سرائی سے احتراز فرماتے۔آپ کو بچپن ہی سے پڑھنے کا بہت شوق تھا جو آگے چل کر اور پختہ ہو گیا۔زیادہ وقت ایسے ہی مشاغل میں گزارتے۔والد محترم اور دیگر مہمان علمائے کرام کی صحبت سے آپ استفادہ فرماتے، پانچوں وقت کی نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا آپ کا معمول تھا، اگر کسی خاتون کا سامنا ہو جاتا تو آپ سر کو جھکا لیتے، نامحرم کو دیکھنا گوارہ نہ فرماتے آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت انہی سے حاصل کی چار برس کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ ختم کر لیا، پونے چودہ سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ عربی وفارسی میں دستار فضیلت اور سند فراغت حاصل کر لی۔

آپ نے حدیث میں حضرت آل شاہ احمد مارہروی اور الشیخ صالح جمل اللیل امام شافعیہ شیخ الخطباء مکہ مکرمہ (شیخ الحدیث) اور فقہ میں شیخ عبدالرحمن السراج المفتی الحنفی مکہ مکرمہ (شیخ الفقہ) سے استفادہ کیا، آپ کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ پچاس مختلف علوم وفنون میں دسترس کامل رکھتے تھے جن میں سے اکثر و بیشتر کے نام بھی ہمارے علماء کے ذہن نشین نہیں ہیں آپ بیک وقت قواعد، معانی، بیان، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، کلام، اسماء الرجال، ریاضی، جغرافیہ، نجوم، فلکیات اور تکسیر میں عبور تام رکھتے تھے آج آرٹس اور سائنس کو الگ الگ علوم قرار دیا جاتا ہے آرٹس انسان بناتا ہے اور سائنس مشین مگر آپ کی ذات میں یہ دونوں خوبیاں یکجا نظر آتی ہیں۔آپ جدید سائنس پر بھی گہری نظر رکھتے تھے آپ کے ہم عصر اہل علم وفن اپنے پیچیدہ مسائل میں آپ سے رجوع کرتے جن میں لاہور کے پروفیسر حاکم علی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر سر ضیاء الدین نمایاں ہیں۔آپ نے رسائل فوز مبین دررد حرکت زمین اور نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان میں سورج کو حرکت پذیر اور زمین کو ساکن ثابت کیا جس پر دنیائے سائنس حیران و ششدر ہے۔عہد حاضرہ کے عالمی شہرت یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بھی آپ کی سائنسی تحقیقات سے متاثر ہیں، وہ فرماتے ہیں ان (امام احمد رضا خاں بریلوی) کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم پہلو سائنس سے شناسائی بھی ہے۔سورج کو حرکت پذیر اور محو گردش ثابت کرنے کے ضمن میں آپ کے دلائل بڑے اہمیت کے حامل ہیں۔آپ کے مخالفین نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ جو علمی گہرائی آپ کے یہاں ملتی ہے وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے۔

امام احمد رضا عقائد و افکار میں متقدمین اور سلف صالحین کے پیرو تھے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد اور مشربا قادری تھے آپ کو چاروں سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت تھی۔آپ نے مذہب کے علاوہ دیگر علوم وفنون اور سیاست میں بھی تجدید و احیاء کا کارنامہ انجام دیا جس کی بناء پر اکابر علمائے عرب و عجم نے چودھویں صدی کا آپ کو مجدد قرار دیا اور اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی کے خطابات سے نوازا جو آپ کے نام پر حاوی ہو گئے اور آج دنیا بھر میں اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔امام احمد رضا نے ساری زندگی عقیدۂ توحید اور ناموس رسالت کی پہرہ داری کی۔آپ کا قلم تمام اعتقادی فتنوں کا تعاقب کرتا رہا اسلام کی عزت وحرمت کے مقابل کسی کو خاطر میں نہ لاتے آپ کے بے لاگ فتاویٰ اور علمی تنقید کو بعض لوگ شدت سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ درحقیقت ان کی غیرت ایمانی اور عشق رسول ﷺ کا مظہر ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی جن کی بعض عبارتوں پر آپ نے سخت گرفت کی تھی کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا ہمیں کافر نہ کہتے تو وہ خود کافر ہو جاتے کیونکہ وہ ہمیں کافر سمجھتے تھے۔قادیانیت گزشتہ و موجودہ صدی میں اسلام کے خلاف سب سے زیادہ خطرناک سازش ہے۔امام احمد رضا نے اس سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے سب سے پہلے اس کے خلاف فتویٰ کفر صادر فرمایا۔آپ کے فتاویٰ نہ صرف قادیانیت بلکہ مرزائیت نوازوں کے لیے بھی شمشیر بے نیام ثابت ہوئے اور عالم اسلام اس فتنے سے ہوشیار ہو گیا چنانچہ پاکستان کے سب سے بڑے قانون ساز ادارے قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے۔آپ کے فتاویٰ کے علاوہ چھ رسائل ردقادیانیت پر مطبوعہ عام ملتے ہیں ان میں سے تین کے عربی تراجم ہو کر مصر سے شائع ہوئے ہیں۔

امام احمد رضا ہر اس شخص کو جو دین میں نئی نئی باتیں داخل کرتا بدعتی قرار دیتے اور ہر اس شخص کا تعاقب کرتے جو تجدید کے بہانے بے راہ روی اور خرافات ایجاد کرتا آپ ہر کلمہ گو کو مسلمان قرار دیتے مگر روح اسلام کو بھی اس کے قول وفعل میں جیتا جاگتا دیکھنا چاہتے اور اس کے ساتھ ساتھ اس حد تک چھوٹ بھی دیتے کہ جس حد تک قول وعمل شریعت وسنت سے متصادم نہ ہوں امام احمد رضا کا عشق رسول ﷺ لاثانی و بے مثال تھا ساری زندگی اسی عشق و محبت میں گزاری ہر کام میں سنت کو فوقیت دیتے اور دوسروں کو بھی اس کے تلقین فرماتے آپ کی ذات اتباع سنت ہی نہیں سنت کا چلتا پھرتا نمونہ تھی۔آپ کا نعتیہ دیوان حدائق بخشش ہی کیا ہر ہر تحریر عشق و محبت رسول ﷺ سے لبریز ہے آپ ایک عظیم عاشق تھے جو ساری انسانیت کو اسی محبت کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

ان کا عربی کلام ''بساتین الغفران'' اور فارسی کلام ''ارمغان رضا'' کے نام سے معروف ہے۔ان کا

قصیدہ سلامیہ اپنا ثانی نہیں رکھتا بلاد اسلامیہ کی فضائیں اس والہانہ وجد آفرین آواز سے صبح و شام گونج رہی ہیں:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا نے کنزالایمان کے نام سے قرآن پاک کا نہایت سلیس اردو ترجمہ کیا جو کہ اردوداں طبقہ میں مقبولِ عام ہے اور ہر جگہ بآسانی دستیاب ہے۔اس کی انفرادیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ 1993ء میں کراچی یونیورسٹی نے ایک فاضل پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کو کنزالایمان کے حوالے سے پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ سند جاری کی۔کنزالایمان کا دنیا کی متعدد زبانوں مثلاً انگریزی، ڈچ، فرانسیسی، ہندی، گجراتی، ترکی، فرنچ، سندھی اور پشتو وغیرہ میں ترجمہ ہوچکا ہے۔علم حدیث میں آپ ایک امام کا درجہ رکھتے ہیں آپ کو بیشتر احادیث معہ متن وراوی ازبریاد تھیں یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصنیف میں احادیث کی کثرت ہے۔آپ کے فتاویٰ رضویہ بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے جسے ماہرین علم وفن نے فقہ حنفیہ کا انسائیکلوپیڈیا قرار دیا ہے۔اس فتاویٰ کے حوالے سے کئی اسکالر پاکستان وہندوستان سے ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں۔آپ کی فقہی خدمات کا جائزہ لینے کے بعد علامہ اقبال نے امام ابوحنیفہ ثانی قرار دیا جبکہ فتاویٰ میں علم وطب کے اسرار ورموز دیکھ کر حکیم محمد سعید نے آپ کو ماہر طبیب کہا۔ایک انشاء پرداز مولانا کوثر نیازی نے آپ کے قصیدہ سلامیہ کو اردو نعتیہ شاعری کے ماتھے کا جھومر اور اردو کا قصیدہ بردہ قرار دیا ہے۔آپ نے ترجمہ قرآن پاک اور فتاویٰ کے علاوہ ہزار کے قریب کتب ورسائل تحریر فرمائے جو کہ ہر علم وفن اور موضوع کا احاطہ کرتے ہیں۔آپ کی نگارشات اس قدر علمی وتحقیقی ہیں کہ آج کے قارئین کو دوران مطالعہ ایک ایک صفحہ سمجھنے کے لیے کئی کئی گھنٹے اس صفحے پر معتکف رہنا پڑتا ہے۔آپ قرآن فہمی سے لے کر فتاویٰ نویسی اور شعر گوئی تک کے تمام موضوعات ایک جہان تو لیے ہوئے ہیں۔ایسے عظیم انسان کی تعلیمات کی روشنی میں یقیناً ہم بھی ایک عظیم انسان بن سکتے ہیں۔

آپ کا وصال مبارک 25صفر 1340ھ 1921ء کو ہوا۔اللہ ہمیں ان کاملین کی سیرت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

بقیہ: "حکمتِ قرآن"

جب تک انسان کائنات معنوی یا حقیقی سے کٹتا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا قرب کیسے پا سکتا ہے؟ ہے تو "نعبد" کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے خدا! میں سب سے کٹ کر تیرے پاس پہنچا ہوں۔تو یہاں مخاطب کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے کہ پوری کائنات سے کٹ کر حریمِ قدس میں بندہ آجاتا ہے اور پھر وہاں سے اس پر تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔

سوال نمبر 4: استعانت خداوندی کیا ہے؟

جواب: مدد کا جو مرجع ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اس کائنات میں عالمِ اسباب کے اندر مختلف لوگ مختلف مددیں کرتے ہیں۔لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بندے کی طرف منتقل ہوتی ہے تو وہ تحت الاسباب آجاتی ہے۔کبھی مادی اسباب ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی اسبابِ روحانی ہوتے ہیں لیکن مدد کا اصل مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔بندہ زبان سے کہتا ہے کہ "ہم تیری عبادت کرتے ہیں" لیکن بندہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ "میں تیری عبادت نہیں کرسکتا"۔

بعض اوقات بندہ مسجد جاتے جاتے سنیما پہنچ جاتا ہے یا کلب چلا جاتا ہے۔تو ایسے میں کیا انسان کو مدد درکار نہیں ہوتی؟ ایک انسان اس وقت تک عبادت نہیں کرسکتا جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہ ہو۔ربّ کریم نے فرمایا:

ایاک نعبد وایاک نستعین اھد نا الصراط المستقیم

یعنی ہدایت اور عبادت دونوں کے درمیان اپنی مدد کا ذکر کیا ہے۔اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ملتی ہے اور نہ ہی عبادت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر حاصل کی جاسکتی ہے۔تو جملہ روحانی امور بھی متقاضی ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو۔

"نستعین" کبھی عون سے نکلتا ہے اور کبھی عین سے نکلتا ہے۔اگر "عین" سے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ فلاں چیز میں نے عین پالی یا بالکل وہی پالی۔تو جمالیاتی معنیٰ یہ ہوگا:

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

"اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
تو تجھ سے تجھ ہی کو مانگتے ہیں"۔

(یا اللہ! باقی جزائیں بھی تو دے گا لیکن اگر "تو" ہمارا ہو گیا)

"من له المولی فله الکل"

"جس کا اللہ ہو گیا اس کا سب کچھ ہو گیا"۔

سوال نمبر 5: صراط مستقیم کیا ہے؟ اس کی وضاحت کس طرح کی جاسکتی ہے۔

جواب: طلب کے پیمانے یکساں نہیں ہے۔اسی طرح طلب کی منزل بھی ایک نہیں ہوتی۔کسی انسان کو کما حقہ پانا بھی ایک مشکل بات ہے تو اللہ تعالیٰ کو پانا، یہ ایک لمحے کی بات نہیں ہے۔یہ شوق کی انگیٹھیاں مرحلہ درمرحلہ گرم کرنی پڑتی ہیں۔معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہوئی، حضرت ایوب علیہ السلام کو بھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی ہوئی لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ معراج کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے۔ایک عبدیت کا پہلا درجہ ہے اور ایک انتہائی درجہ ہے۔بندہ جس وقت ایک عاشق بن کر نماز میں کہتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

جب اللہ تعالیٰ بندے کو ایک منزل دیتا ہے تو وہ کہتا ہے:

هَلْ مِن مَّزِيدٍ

"کیا اور بھی ہے تو وہ بھی سہی"

انسان کی زندگی تو ختم ہو سکتی ہے لیکن خدا کے جلوے ختم نہیں ہو سکتے۔

سوال نمبر 6: انعام یافتہ لوگ کون ہیں؟

جواب: اس وقت دنیا شکوک شبہات کا شکار ہے اور قوم میں عجیب confusions کا شکار ہیں۔صراطِ مستقیم کا وہ تصور جو رسول اللہ ﷺ نے دیا اگر ہم نکھار کر بیان نہیں کریں گے تو ہم اپنے دور کے المیوں کا تدارک کیسے کرسکیں گے؟ عملی زندگی میں ہم اپنے گھروں میں، اپنے سے چھوٹے لوگوں کی تربیت کریں تو انہیں بغاوت کے ماحول سے نکالنے کے لیے، رحمت، اور نوازش کا سہارا لیں۔جس وقت یہ ماحول پیدا ہوگا تو یقیناً آپ دیکھیں گے کہ ایک سچا انقلاب ان کے دلوں میں ابھرے گا۔

دل کی دھڑکن ، روح کی بے تابیاں دیں گی سراغ
آپ جتنا چاہیں اپنے آپ کو پنہاں کیجیے

مدینۃ النور سے واپسی ہوئی اور پہلی جانکاہ خبر یہ ملی کہ پیر سید سعید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کی مہکبار روح کو اعلیٰ علیین میں ارفع مقام عطا فرمائے۔ شاہ جی کی زندگی نخل محبت کا میٹھا پھل تھا۔ آپ کا عقیدہ ہمیشہ رہنے والی زندگی کو آراستہ کرنے کے مرکز پر گھومتا تھا۔ آپ صاحبِ طرز سید زادے تھے۔ آپ نے اگرچہ طویل زندگی کا لاہوتی تحفہ پایا لیکن لمحات زیست کو ایسے استعمال فرمایا کہ پیری زلیخا کی جوانی میں جیسے ڈھل گئی ہو۔ آپ کے اصولِ زندگی عشق کے ساتھ عرفاں، جذبوں کے ساتھ معنیٰ خیز بے باکی اور اللہ کی راہ میں سرشاری کے ساتھ بے نیازی تھی۔ ایک پیر کے لیے اپنے خلیفہ مجاز کو حروف کا جو تحفہ دیا جا سکتا ہے بس اتنا ہی کہوں گا کہ آپ اپنی عادات و اطوار اور اعمال و افعال میں محبت والی زندگی کی زندگی تھے۔ آپ کا یہ احساس سادات و اشراف کے لیے نمونہ ہے کہ آپ کبھی کسی سے ڈرے نہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی محبتوں کا پرچم کسی برفانی طوفان کی وجہ سے سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

وہ اپنے اسلاف کے ناموں کا ورداتنی غیرت سے کرتے کہ مریخ پر موسمی طغیانیوں کا اثر زمین کے ماحول میں جتنا بھی ہنگامہ کھڑا کرتا شاہ جی دلوں کے مضراب پر عشق کے ترانے دھیمے نہیں ہونے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شاہ جی کی آل اولاد، ان کے قابل عزت بہن بھائیوں، رفقاء و احباب اور صبح شام ان کے ساتھ بیٹھنے والوں کو صبر عطا فرمائے۔ شاہ جی کی وجہ سے وہ سب میرے حلقۂ طریقت میں شامل ہوئے اس لیے شاہ جی کا ترانہ ان کی نذر کرتا ہوں۔

جہانِ تازہ کی آرزو ہے
جہانِ تازہ کی جستجو ہے
کہ ہو چکا ہے خراب و کہنہ
یہ آب و گل کا نگار خانہ
میرا طریق قلندرانہ
میرا سرود قلندرانہ
نمود الفت کا اک بہانہ
یہ میرا خونِ جگر ہے جس سے
ہوا ہے رنگیں مرا ترانہ
اللہ اکبر!
اللہ اکبر!
اللہ اکبر!

سید ریاض حسین شاہ

ہادی برحق اور تربیتِ نفس

محمد شریف سیالوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایک عظیم شخصیت ہی نہیں بلکہ شخصیت ساز بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت سے حروف ابجد سے ناواقف بزم علم وحکمت کے صدر نشین اور قافلہ تہذیب وتمدن کے سالار بنے۔ درسگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے فارغ التحصیل معارف ربانی، اسرار فرقانی کے ماہر، اخلاقِ حسنہ کی مجسم تصویر، فاتح عالم بن کر نکلے۔ احادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچائی، دیانت، سخاوت، ہمدردی، صفائی، ایفائے عہد، عدل، عجز وانکسار، مستقل مزاجی، بردباری، مردِ مومن کی شخصیت کے عناصر ترکیبی ہیں۔ جھوٹ بددیانتی، بخل، ظلم، نقضِ عہد، کبرو عجب، تذبذب، سستی، عداوت ودشمنی اور فضول خرچی جیسے اوصاف شخصیت مسلم کے منافی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کو بد اخلاقی اور منفی اوصافِ شخصیت سے بچانے اور اسے نفس مطمئنہ کی سطح پر لانے کے لیے جو تربیتی نظام جاری فرمایا اس کی بنیاد علم وحکمت، ایمان و ایقان اور عبادت و ریاضت پر ہے جن کا تعلق قلب وروح اور بدن تینوں سے ہے اور یہی تین نفس انسانی میں اجزائے تحلیلی ہیں۔ علم وحکمت نیکی کے مترادف ہے اور نیکی کی اصل ایمان باللہ اور خشیت الٰہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک ساعت کا فکر و تدبر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے اور فرمایا کہ صاحبِ علم کی نسبت عابد کے ساتھ اتنی، جتنی میری تم میں سے کسی ایک ادنیٰ پر ہے۔

خشیتِ الٰہی کو اصل علم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔

''سب سے بڑی حکمت اللہ کا ڈر ہے''۔

گویا علم نافع وہ ہے جو خشیتِ الٰہی پیدا کرتا ہے۔ اور اصحاب علم وہ ہیں جو:

کلما ازدادو امن ھدی العلم ازدادو للہ تواضعا وخشیۃ وانکسارا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دعا کی یہ تعلیم دیتے تھے۔

اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع

نیکی فطرتاً انسان کے اندر موجود ہے خشیت الٰہی تزکیہ نفس کا کام دیتی ہے کیونکہ نیکی سے دل مطمئن ہو جاتا ہے ایک صحابی نے جب عرض کیا کہ میں نیکی اور بدی میں کیونکر تمیز کر سکتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

البر ما اطمئنت الیہ نفسک والذنب ما حاک فی صدرک او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جہالت اور غفلت وہ آفت ہے جو آئینہ قلب کو مکدر کر دیتی ہے۔ اور نیکی اور برائی کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ قلب افکار کا محل ہے۔ اور انہی افکار سے ایمان کا صدور ہوتا ہے۔ اگر خشیت الٰہی دل میں موجود ہو تو افکار باطلہ نہ اس میں راہ پا سکتے ہیں اور نہ ہی اعمال قبیحہ کا صدور ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

الا ان فی الجسد مضغۃ ان صلحت صلح الجسد کلہ وان فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب

دل صالح اور صاف خون پورے بدن کو سپلائی کرتا ہے تو سارے بدن کی صحت کا دارومدار دل پر ہے۔ دل خراب ہو جائے تو جسم کے تمام اعضاء میں گندا خون پھیل جاتا ہے۔ جس سے امراضِ جسمانی کا ظہور ہوتا ہے بعینہ قلب اگر خوف الٰہی سے آشنا ہو تو انسان کے اعمال حسنات ہوتے ہیں۔ خوفِ خدا اٹھ جائے تو سیئات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

انسانی شخصیت کی معراج معرفتِ الٰہی ہے۔ اور علم کا وظیفہ بھی یہی ہے کہ قلب انسانی پر معرفت رب کی شمع روشن ہو۔ انفس و آفاق کی آیات کا مطالعہ یقین کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اندر کی دنیا کو عالمِ اکبر قرار دیا۔ معرفتِ نفس کو معرفتِ رب کے ساتھ ایک قریبی تعلق کی حیثیت سے فرمایا:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

شخصیت کی تکمیل پر روح وبدن اور دین ودنیا کے تقاضے مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لیس بخیر کم من ترک دنیا و الآخرۃ ولا من اخرتہ لدنیاہ۔

''دنیا و آخرت میں نیکی کی طلب شخصیت مسلم کا تقاضا ہے''۔

مشکوٰۃ شریف کی ایک طویل روایت میں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و ریاضت کو دیکھا تو اپنی عبادت کو بہت کم سمجھا بعض نے طے کیا کہ وہ رات بھر نوافل میں گزاریں گے دوسرے نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو خفا ہوئے اور فرمایا کہ میں عبادت بھی کرتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں۔ شادی و بیاہ کی رسوم بھی ادا کرتا ہوں اور فرمایا کہ:

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

دین و دنیا میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ جھکاؤ شخصیت میں بگاڑ کا موجب بنتا ہے۔ عبادات ومعاملات حقوق اللہ اور حقوق العباد مل کر ایک وحدت بناتے ہیں اور یہی مسلمان شخصیت کی تعمیر کا اصل الاصول ہے۔

بقیہ صفحہ 37 پر

صاحب فضل وکمال

حضرت خواجہ محمد جمشید عرف لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ

دوسری قسط

ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

حیرت وسکر اور مجذوبیت

مجذوبیت ایک کیفیت ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب سالک اپنی عرفان کی منازل طے کرتا ہے تو ایک منزل حیرت وسکر کی ہوتی ہے جہاں بعض اوقات مرید رک جاتا ہے اور کامل شیخ تو اس کو اس حالت سے باہر نکال لیتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ انسان بھٹکتا رہتا ہے۔ حضرت لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف کی منازل میں خطرناک ترین وادی حیرت وسکر ہے۔ اس سے جو فائز المرام ہوجائے' وہ کیمیا بن جاتا ہے۔ لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے راولپنڈی کے صدر بازار میں ایک نیم برہنہ مجذوب کو دیکھا جس کی آنکھیں سرخ اور جسم تھرتھرا رہا تھا۔ نگاہوں میں بلا کی مقناطیسیت تھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا تو یوں محسوس ہوتا فضائیں مرتعش ہوجائیں گی۔ حضرت لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں اس سے زیادہ معصوم' ولی اور قطب ماں کی گود میں کھیلتا بچہ ہوتا ہے۔ اللہ کا پسندیدہ کام رسول کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع ہے۔ اصحاب اکبار کی بلندیٔ مدارج ان کی دیوانگی کی بنا پر نہیں بلکہ جنونی اطاعت ومحبت کی وجہ سے تھی۔

حضرت لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جب انہوں نے سکر وحیرت کے مقام پر قدم رکھا تو ایک عجیب کیفیت سے دوچار ہوگئے الٹے سیدھے خیالات دل میں جنم لینے شروع ہوگئے پھر ایک خنجر اٹھایا اور اپنے مرشد ننگا بابا کو قتل کرنے دوڑ پڑے۔ مرشد کریم نے دیکھا تو سینے سے لگایا اور یہ کیفیت دور ہوگئی۔ ایک ساتھی نے دریافت کیا لالہ جی یہ مقام حیرت کیا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''یوں سمجھو جیسے مدھانی دودھ میں گھومتی ہے'' نہ رات چین نہ دن آرام۔ سوائے سوز وسکر کے کچھ بھی نہیں بچتا۔ پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت منصور حلاج کا حوالہ دیا کہ وہ بھی مقام سکر میں تھے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''اگر اس وقت یہ فقیر ہوتا تو شاہ منصور کو اس سکر سے نکال لیتا''۔

علم وعرفان

حضرت خواجہ محمد جمشید لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ عاجزی اور انکساری کی عجب مثال تھے۔ زندگی بھر اپنے کو ولی، قطب۔ قلندر، مخدوم، اور خواجہ کہلانا پسند نہ فرمایا۔ کشف وکرامات کا حتی المقدور اظہار نہ کیا۔ ہمیشہ اپنی ذات کی نفی کی لیکن سچ ہے ولی را ولی می شناسد یعنی ایک ولی ہی دوسرے ولی کو پہچان سکتا ہے۔ لہٰذا اہل نظر اور اہل بصیرت نے انہیں ولی بھی، قطب بھی، اور زمرہ ابدال میں دیکھا۔ ان کی کرامات بھی دیکھیں اور علم و عرفان کے موتی تقسیم کرتے ہوئے بھی ملاحظہ کیا۔

حضرت لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ بظاہر امی تھے اور اکثر سوال پوچھنے پر یہی اظہار فرماتے ''میں نہیں جانتا'' لیکن جب دین مبین کی بات ہو شریعت مطاہرہ کا حوالہ ہو تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی گفتگو با حوالہ ہوتی۔ پھر حدیث' فقہ' قرآن وسنت کے حوالے سے اپنا مؤقف بیان فرماتے۔ ایک دفعہ ایک جعلی پیر کہہ رہا تھا ''یہ مولوی شریعت کی بات کرتے ہیں شریعت کو چھوڑو'' لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ وہاں قریب تھے فوراً بول پڑے ''شریعت چھوڑ' خدا کو چھوڑ' اور رسول ﷺ کو چھوڑ و کافر ہوجاؤ گے'' وہ جعلی پیر سٹپٹا گیا اور کہنے لگا میں نے یہ کب کہا ہے مریدوں نے یاد دلا دیا کہ آپ نے ایسے ہی کہا۔ وہ لاجواب ہوگیا۔ لالہ جی فرمانے لگے ''شیطان حرامی نے تجھے پاگل بنا رکھا ہے ہوش ہو تو تجھے سمجھ آئے کیا کہہ رہا ہے''۔

انتہائی سادہ سی ظاہری شخصیت اور اپنے آپ کو امی کہنے والے لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ فقہ پر بھی عبور رکھتے تھے آپ رحمتہ اللہ علیہ خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک متکبر اور اپنے علم پر گھمنڈ کرنے والے شخص سے ملاقات ہوئی تو اس نے اپنے علم کی دھاک بٹھانے کی کوشش کی لالہ جی فرماتے ہیں میں نے اس سے پوچھا فقہ کا علم بھی جانتے ہو تو اس نے کہا اس میں کوئی مائی کا لعل مجھ سے مقابلہ نہیں کرسکتا تو لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے سوال پوچھا کہ سامنے گھر کی کھڑکی ہے ایک مرد کی دو بیویاں ہیں کھڑکی میں سے ایک عورت سر باہر نکالتی ہے تو مرد کہتا ہے اس عورت کو طلاق گھر گیا تو دونوں عورتیں کہہ رہی تھیں کہ کھڑکی سے اس نے سر نکالا اب بتاؤ طلاق کس کو ہوئی؟ متکبر مولوی صاحب دائیں بائیں دیکھنے لگے''۔

قبلہ لالہ جی ایک دفعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک اہل حدیث لالہ جی کی توحید کی باتیں سن کر متاثر ہوا اور ان کے پاس آیا اور کہنے لگا ''جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے وہ کافر ہے'' لالہ جی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا منہ دوسری طرف کرلو پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے ہاتھ پر زور سے پھونک ماری اور پوچھا کیسی ہے؟ اس نے کہا ٹھنڈی پھر آپ نے آہستہ سے پھونک ماری اور پوچھا تو اس نے کہا گرم۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جبکہ تم دوسری طرف دیکھ رہے تھے تمہیں کیسے ٹھنڈی یا گرم کا کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا میں نے آثار محسوس کیے تو لالہ جی رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے مومن بھی تو اللہ کے نور کی وجہ سے آثار محسوس کرتا ہے اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ذیشان ہے کہ مومن کی فراست سے بچو (مومن اپنی فراست سے زمین وآسمان کی پوشیدہ چیزوں کو دیکھتا ہے)

بعض اوقات کسی مسئلے کو سمجھنے سمجھانے کے لیے

آپ رحمۃ اللہ علیہ عملی تجربہ اور مشاہدہ کرتے تھے۔ جب کچھ لوگوں نے قبلہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کی شکایت کی کہ وہ یا رسول اللہ کے صیغے سے درود شریف پڑھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بوقت تہجد بلند آواز سے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھا تو ایسا لگا کے انوار کی بارش شروع ہوگئی۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ یا رسول اللہ کے صیغے کے ساتھ درود شریف پڑھنا باعث برکت ورحمت ہے۔

اللہ کا فضل

لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''تقویٰ بہت اعلیٰ وصف ہے لیکن خدا کے فضل کی بات ہی کچھ اور ہے فضل خدا سالک کی منزل بھی ہے، راستہ بھی ہے، علم بھی ہے، اسلحہ بھی ہے، راحت قلب بھی ہے اور سکون روح بھی ہے۔ تقویٰ سالک کو کروڑ سال میں وہاں نہیں پہنچاتا جہاں اللہ کا فضل سالک کو لمحوں میں وہاں پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے سوال اس سے اس کے فضل کا ہی کرنا چاہیے'' اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ فضل ہی کو سب کچھ تصور کرتے تھے ان کا قول ہے ''تقویٰ زمین کے کنویں سے پانی کھینچتا ہے اور فضل آسمانی بارش ہے''۔

ایک موقع پر لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب وہ کریم فضل فرماتا ہے تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل رکھنے والے جاہل بدوؤں کے دل موم سے بھی زیادہ نرم کر دیتا ہے اور جب وہ پسند نہیں کرتا تو ابوجہل قریشی ہو کر بھی سخت دل ہی رہتا ہے۔ لہٰذا سوال اس کے فضل کا ہی کرنا چاہیے کہ اعمال کے لیے بھی توفیق اس کے فضل کی مرہون منت ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ذیشان ہے:

''طلب ہو یا عمل، فکر ہو یا محبت، ذوق ہو یا جستجو، نیکی ہو یا احسان توفیق کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہے توفیق ہی نیکی کا دروازہ ہے توفیق ہی بخت کی ارجمندی ہے توفیق ہی اذن حضور ہے توفیق ہی طلب حق کی جھلک ہے۔۔۔ وہ نہ چاہے تو نماز بھی نہیں اطاعت بھی نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا حسن ولایت بڑی چیز ہے لیکن توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ عظمت تقویٰ کا جواب نہیں لیکن توفیق نہ ہو تو تقویٰ بھی نہیں۔ یہاں اگر سیرت واسوہ میں کوئی رنگ ہے تو وہ توفیق ہی کا ہے نعم الرفیق توفیق ہی ہے۔

دلوں کا خیال

حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ ہر کسی کے دل کا خیال رکھا دلوں کو ٹوٹنے سے بچایا۔ راولپنڈی سے دکان کا سودا سلف خریدا کرتے تھے۔ کوشش ہوتی کہ کوئی مریدان کے ساتھ نہ ہو ایک دفعہ سامان خرید کر اوگی واپس تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ دکاندار نے غلطی سے دوصد زائد واپس کر دیے۔ اوگی واپس تشریف لائے اور دکاندار کے دوسو روپے واپس کیے۔ اس نے کہا کہ اتنی بھی کیا جلدی تھی فرمایا زندگی کا کیا پتہ کس وقت بلاوا آ جائے اور میرے ذمہ قرض رہ جائے اور سنگیوں سے فرمایا کہ مسلمان کا دل بڑی نازک شئ ہے۔ اس کا ٹوٹ جانا قیامت سے کم نہیں۔ اگر اس کا احساس ہو جاتا کہ اس کے دوسو روپے زائد چلے گئے ہیں تو بدگمانی پیدا ہو جاتی۔

اپنے سنگیوں کے دلوں کا خصوصی خیال کرتے یہی وجہ ہے کہ بیماری کی صورت میں بھی استدعا کرنے پر آپ تشریف لے آتے۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر ظفر اقبال نوری آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے چند ادویات لے کر اوگی حاضر ہوئے مرض چونکہ شدید تھا۔ بعض لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مانسہرہ ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ڈاکٹر نوری اتنی مسافت طے کر کے آیا وہ کیا سوچیں گے چونکہ ان کا دل ٹوٹنے کا اندیشہ ہے'' سو آپ رحمۃ اللہ علیہ مانسہرہ جانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی پیاری عادت یہ بھی تھی کہ ہر کس و ناقص کی بات بڑے تحمل سے سنتے بعض اوقات نہایت غبی قسم کے لوگوں کو گھنٹوں گفتگو کے موتیوں سے نوازتے رہتے اور کسی کی دل آزاری نہ ہونے دیتے۔

بے نیازی کی انتہا

صوفیاء کا مسلک ہی یہ ہے کہ وہ دلوں کو دنیا و مافیہا سے خالی کر لیتے ہیں اور صرف اور صرف نام خدا ہی دلوں میں رہنے دیتے ہیں۔ سنابل نور میں لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا سے بے نیازی کے بارے میں یوں لکھا ہے: ''حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز ایسے ہی ایک پاکباز مرد تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ صرف من کی دنیا فتح کرنے والے بزرگ نہ تھے بلکہ من کی دولت تقسیم کرنے والے ولی اللہ بھی تھے۔ بے نیاز تھے' دنیا سے' عالم رنگ و بو سے' تن سے دھن سے' زر سے زمین سے' یہاں تک کہ طبع آزاد نے آپ کو پیری مریدی سے بھی بے نیاز بنا دیا تھا۔ جب کوئی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈالنے کے لیے حاضری دیتا تو اسے کسی اور کی طرف مرید بننے کیلئے بھیج دیتے''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے زمین کا ٹکڑا پیش کیا ایسی زمین جس پر لوگ جان چھڑکتے تھے لالہ جی نے یہ فرماتے ہوئے رد فرما دیا کہ یہ ان کے نفس کے لیے فتنہ نہ بن جائے۔ یہ بے نیازی کی ادائیں اللہ اکبر۔ حج کے موقع پر قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا سارا سامان کہیں کھو گیا یہ مالی نقصان بھی تھا اور سعودی عرب گھر سے دور لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی بلکہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کو کدھر سنبھالتا پھروں گا'' اور پھر خانہ کعبہ میں ہی قیام رکھا۔ اس موقع پر بعض واقف حال افراد نے مالی مدد کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ بہرحال کسی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سامان مانسہرہ پہنچا دیا۔

انسان دنیا میں مال سے زیادہ اولاد سے محبت رکھتا ہے یہ ایک فطری امر ہے یقیناً لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنی اولاد سے بے پناہ محبت تھی مگر ان کی محبت کبھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات میں آڑے نہ آئی۔ لالہ جی کو اپنے رشتہ داروں اور اولاد کی موت پر بھی انتہائی اطمینان کا مظاہرہ کرتے دیکھا کہ راضی برضا کی تصویر ہوتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بچہ بیمار تھا پھر اسی بیماری کے دوران دنیا سے چل بسا ایسے موقع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے وہ روتا تھا تو میری توجہ اس کی طرف مبذول ہو جاتی تھی۔ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے۔ لہٰذا اب میری توجہ صرف اپنے ربّ کی طرف ہی رہے گی۔ ہمیشہ صبر و شکر کا مظاہرہ فرماتے۔

ایسا پیر دیکھا ہے کہیں

حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ مریدین کا ہجوم پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا ان کے پاس کوئی بیعت ہونے کے لیے آتا تو کسی دوسرے پیر کی طرف بھیجنے کی سعی کرتے۔ البتہ کوئی آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے پر بضد ہوتا تو اس کو سلسلہ میں شامل فرما لیتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید کو ''سنگی'' کے لفظ سے یاد فرماتے۔ زیادہ لوگوں کو بیعت نہ کرنے کی وجہ

یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جتنے کم لوگ ہوں گے۔ اتنی بہتر تربیت ہوگی اور پھر لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ ہر سنگی کو اچھی طرح پہنچانتے ہی نہ تھے۔ بلکہ ان کے گھریلو حالات اور معاشی حالات وغیرہ کو بخوبی جانتے ہوتے۔ ہر سنگی سے اہل خانہ اور بچوں کے بارے میں ضرور پوچھتے اور اگر کبھی خواتین سے آمنا سامنا ہوتا ہے تو ان سے ان کے خاوند کے رویوں کے بارے جاننے کی کوشش کرتے بچوں سے بھی اکثر سوالات پوچھتے لیکن ان کا دریافت فرمانا بالکل مزاح کی صورت میں ہوتا لیکن یہ تربیت ہو رہی ہوتی تربیت کا انداز بھی خوب تھا غلطی اور کوتاہی کو بہت احسن طریقے سے واضح کرتے یہ نہ فرماتے کہ تو نے یا فلاں نے یہ کام کیا۔ بلکہ فرماتے کچھ لوگ یوں کرتے ہیں یہ مناسب نہیں۔ اس طرح حاضرین میں جس کی غلطی ہوتی اسے سمجھ آجاتی اور دوسروں کے سامنے ندامت بھی نہ ہوتی۔

لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ارادت مندوں سے پیار محبت کی وجہ سے عموماً ہر سنگی یہ سمجھتا تھا کہ لالہ جی سب سے زیادہ اسے ہی چاہتے ہیں اور ''بس لالہ جی میرے ہی ہیں''۔

جب سنگی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر حاضر ہوتے تو عجیب منظر ہوتا پیر صاحب اپنے مریدوں کی خدمت کر رہے ہوتے سردی کے موسم میں گرم پانی وضو کے لیے لے کر آ رہے ہیں خود اٹھا کر کمبل وغیرہ سنگیوں پر ڈال رہے ہیں خود کھانا اور ناشتہ اٹھا کر لا رہے ہیں جب ان سے عرض کی جاتی کہ حضور آپ یہ تکلیف نہ کریں تو فرماتے۔ سنگیو! آپ میرے مہمان ہیں اور مہمان کی خدمت کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ کل قیامت کے روز میں کیا جواب دوں گا۔ اکثر سنگیوں کے برابر نشست فرماتے۔ ان سے بلند مقام پر بیٹھنا پسند نہ فرماتے لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ بازار سے لکڑیاں وغیرہ خود اٹھا کر لاتے بازار سے ساز و سامان خرید کر لاتے تو اپنے ساتھ سنگیوں کو چلنے دیتے اور نہ ہی اپنا سامان ان کو اٹھانے دیتے۔ وجہ بیان فرماتے کہ لوگ میرے ساتھ چلیں گے تو لوگ کہیں گے کہ کوئی پیر صاحب آ رہے ہیں جو مجھے ہر گز پسند نہیں اور دوسرے یہ کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنا کام خود کروں۔ حضرت خواجہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے ایسا ہی واقعہ سنابل نور میں تحریر کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں کہ ایک زمستانی اور برفانی رات کے دو بجے کچھ لوگ اوگی پہنچے۔ برف کی طرح ٹھنڈے پانی سے وضو کیا باب محبت پر حاضری ہوئی اور پسند نہ کیا کہ لالہ جی کے آرام میں مخل ہوا جائے حجرہ کا دروازہ بند تھا بس سایۂ دیوار ہی میں محبت کی انگیٹھی جلائی اور ایک دو ساعتیں بسر کیں۔ خلاف معمول لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے لیے مسجد جانے کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے، ملاقات ہوئی تو مزاج اقدس بوجھل ہو گیا اور فرمایا یہ بادشاہ کا گھر نہیں فقیر کی کٹیا ہے میں تمہاری طرح انسان ہوں تم لوگ کسی مجسٹریٹ کے دروازے پر نہیں کھڑے دستک کیوں نہیں دی۔ پھر مہمانوں کے حجرے میں بٹھایا اور خود گرم پانی لینے جانے لگے معلوم ہوا کہ مہمان پہلے ہی ٹھنڈے پانی سے وضو کر چکے ہیں۔ اب تو آپ کا غصہ ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا تھوڑی دیر گزری اور جلال جمال میں تبدیل ہوا فرمایا ناراض نہ ہونا میرا غصہ ربّ کریم کی رضا کی خاطر تھا۔ جب بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے سے واپسی ہوتی آپ رحمۃ اللہ علیہ دعا فرماتے اور گھر سے باہر تک چھوڑنے آتے پھر قبرستان کے پاس رک جاتے اور اس وقت تک دیکھتے رہتے۔ جب تک مہمان نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے۔

پندونصائح

اللہ والے چلتے پھرتے دین مبین کا پیغام ہوتے ہیں ان کے ظاہر کو دیکھ کر دل خود بخود قرآن وسنت کی تعلیمات کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ قبلہ لالہ جی کی شخصیت بھی ایسے ہی اوصاف سے متصف تھی بہت سادہ طبیعت کے مالک' سادہ سے لباس میں لیکن شریعت مطاہرہ اور سنت رسول ﷺ کے پابند تھے۔ ان کا ہر عمل اور ہر ادا لوگوں کو کشاں کشاں دین مبین کی طرف کھینچ لیتی تھی۔ علاوہ ازیں شریعت کے خلاف کوئی عمل دیکھتے اس کی اصلاح کرنے کی سعی کرتے اور انداز ایسا ہوتا کہ مخاطب ناراض نہ ہوتا بلکہ عمل پیرا ہونے کی کوشش کا وعدہ کرتا۔

ایک موقع پر جہاز میں سوار ہوئے تو ائیر ہوسٹس نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ٹھنڈا تولیہ پیش کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لینے سے انکار فرما دیا اور اس لڑکی سے فرمانے لگے ''بیٹی! حیا اسلام کا حصہ ہے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو بال کٹوانے اور برہنہ سر رہنے سے منع فرمایا ہے'' لڑکی نے جواب دیا ''سر میری مجبوری ہے پی آئی اے میں خدمتگاروں کی رسوم نبھانی پڑتی ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اس عذاب سے جلد چھٹکارا حاصل کر لوں گی آپ کی مہربانی آپ نے ہمدردانہ شفقت سے نصیحت فرمائی۔

ایک بار ایک عالم دین کو دیکھا وہ اپنی سالی کے ساتھ ایک ہی پلنگ پر بیٹھا تھا قبلہ لالہ جی نے فرمایا ''اس طرح بیٹھنا درست نہیں ہے عالم نے کہا یہ میری محرم ہے لالہ جی نے برجستہ فرمایا نفس کسی کا محرم نہیں ہوتا''۔

ایک خاتون کے بارے میں لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ حج پر کسی غیر محرم کے ساتھ گئی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس پر بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا شریعت کی حدود کو توڑ کر حج کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ زیارت نہیں شرارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہماری طرف سے کسی سجدہ اور رکوع' طواف اور سعی کی قطعاً ضرورت نہیں اس نے تو دیکھنا ہے کہ اس کے حبیب ﷺ کا فرمانبردار کون ہے؟ رسول اکرم ﷺ کے حکم کو قصداً نہ ماننا ان کی روح کو اذیت دینا ہے اور جو حبیب خدا کو اذیت دیتا ہے اس کے بارے میں خود فیصلہ کر لیا جائے وہ کتنا مسلمان ہے اور کتنا مومن؟

نظام مصطفی ﷺ کی تحریک چلی اور قومی اتحاد انتخابات میں اترا۔ لالہ جی محمد جمشید رحمۃ اللہ علیہ غلبہ دین کی خاطر ووٹ ڈالنے گئے واپس دکان پر تشریف لائے تو قومی اتحاد کا امیدوار خان فخر الزمان خان آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شکریہ ادا کرنے آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''میں تمہیں نہیں جانتا اور نہ ہی میں نے تمہیں خوش کرنے کے لیے ووٹ دیا ہے میرا کوئی دنیاوی کام بھی آپ سے وابستہ نہیں، میں عاشق ہوں رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا اگر میں بستر مرگ پر بھی ہوتا تو حضور ﷺ کی شریعت کے لیے ووٹ ڈالنے ضرور جاتا۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان سے انگریز کا قانون کالعدم ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت جاری ہو جائے۔ دیکھنا دین سے بے وفائی نہ کرنا ورنہ تمہاری کوٹھیوں میں پڑے ہوئے زیر پا قالین تمہاری تباہی کی آگ بن جائیں گے اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ آگ ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔ لیکن خدائی

عذاب کی آگ سرد پڑنا مشکل ہے۔ پھر فرمایا خان بولتے کیوں نہیں؟ وہ کہنے لگا لالہ جی اگر تمہارے جیسے سچے لوگ اس ملک میں رہے تو رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی حکمرانی ضرور ہوگی۔۔۔لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا جاؤ چلے جاؤ میرا نفس خراب نہ کرو۔ دنیا میں مجھ سے زیادہ اچھے لوگ موجود ہیں''۔

دار فانی سے دار بقاء کی جانب

اللہ کے بندوں کا شیوہ ہے کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد الٰہی سے آباد ہوتا ہے اور پھر وہ انسانوں کے لیے زندگی کے ہر موڑ پر بہت سے اسباق دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔حتیٰ کہ دم آخریں میں بھی وہ جاتے جاتے بہت سی پندونصائح اپنے ارادت مندوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔قبلہ محمد جمشید لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی باصفا اور باکردار مرد تھے۔زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد اور مریدین کی تربیت کے لیے وقف کیے رکھا۔

قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نظریہ زندگی اور موت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔زندگی اور موت بھی کیا چیز ہے اور انسان کس قدر وحشت ناک راہوں کا مسافر ہے۔ یہ بھی فرمایا موت بھیانک سایہ ہے لیکن مومن کے قلب بیدار کا یہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اس لیے اللہ کے ذکر سے دلوں کو زندہ کرو۔

زندگی کے آخری دور میں قبلہ لالہ جی اکثر سنگیوں سے اپنے لیے دعاؤں کے لیے فرماتے۔فرمایا کرتے میری وفات کے بعد میرے لیے خصوصی دعائیں کرتے رہنا۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ ان کا آخری وقت آ گیا ہے۔محترم جناب پیر محمد گلزار نقشبندی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خواب سنایا کہ میں نے بہت سی چاندنی دیکھی مگر چاند نظر نہ آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تفصیلی جواب دینے کی بجائے فرمایا کیا تمہیں فراست ہے۔محترم گلزار صاحب کہتے ہیں اس بات کی مجھے سمجھ نہ آئی لیکن وفات سے چند دن قبل جب ہم اوگی گئے تو الوداع کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر میں مر گیا تو سب مل کر میرے لیے دعا کرنا۔ ہم نے اس بات کو معمول کے مطابق لیا لیکن دروازے پر انہوں نے ہمیں روک لیا اور فرمایا ''میری بات کو یوں ہی نہ لینا اور نہ ہی میں یوں ہی کہہ رہا ہوں بلکہ خوب دھیان سے سنو! اور اگر میں مر جاؤں تو دھیان سے توجہ سے میرے لیے دعا کرنا کیونکہ میں نے کبھی کسی کے لیے رسمی دعا نہیں کی کیونکہ مرنے والے کو دعاؤں کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔محترم گلزار صاحب کہتے ہیں کہ یہ الوداعی ملاقات ٹھہری اور اس نے ہمیں پریشانی میں مبتلا کر دیا۔

ایسی ہی ملاقات کا ذکر قبلہ سید ریاض حسین شاہ صاحب سنابل نور میں کرتے ہیں جبکہ دوران ملاقات قبلہ شاہ جی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''لگتا ہے کہ میرا آخری وقت قریب ہے آثار بدلے بدلے محسوس ہوتے ہیں اور میرا وجدان کہتا ہے کہ تمہارا رونا اس کشف کی بنا پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے بارے میں عطا کیا ہے لیکن عزیز من! شیخ' والدین اور بچے ایک مرحلہ پر سب ناسوت بن جاتے ہیں اور ناسوت حجاب ہوا کرتا ہے۔ اس لیے میں نے تم سے کہا رومت ذکر کرو۔ رونا حجاب ہے اور ذکر آئینہ محبوب ہے۔ اس کے حسن کی کرنیں اور جلوے سب غم بھلا دیتے ہیں۔تمہارے رونے سے میرا آخری وقت ٹلتا نہیں مجھے محض تمام سنگیوں کی دعائیں چاہییں۔ میں نے تم سے دولت اور دنیا نہیں کمائی۔الحمدللہ! میرا تمام تعلق لوجہ اللہ رہا۔اس لیے تم سب اللہ کی خاطر میرے لیے دعا کرنا''۔

پھر لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے محبوب سنگی اور خلیفہ مجاز کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے بعد بدعات میں مبتلا نہ ہونا' میرے سلسلہ کو تبدیل نہ کرنا' گمنامی کو شہرت پر ترجیح دینا۔فقر کو سروری سے اچھا سمجھنا' سنگیوں سے محبت اور تعلق استوار رکھنا' روزی کے معاملے میں کبھی بے توکل نہ ہونا' رزق حلال کی جستجو جاری رکھنا' مشائخ سلسلہ کی حقیقتوں کا مراقبہ کرتے رہنا' اگر کبھی قلب اور روح پر پردہ آ جائے تو میری قبر کے سامنے بیٹھ کر مراقبہ کرنا''۔

اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کی کتاب کھول کر سامنے رکھ دی تھی اور فرمایا تھا یہ میرا طریقہ کار ہے اور رہا ہے اسی پر آپ سب کاربند ہونا چاہیے۔

اور پھر 9 اکتوبر 1993ء بمطابق 23 ربیع الثانی 1414ھ حضرت لالہ جی محمد جمشید قدس سرہ العزیز نے اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرمائی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف اوگی میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے قریب واقع ہے۔

لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء

قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے محدود لوگوں کو بیعت کیا اور خلافت تو چند ایک سنگیوں کو ہی نصیب ہوئی۔ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی روایتی پیری مریدی سے پرہیز کی۔اسی طرح خلافت کے ضمن میں بھی روایتی انداز (اولاد کی خلافت) نہیں اپنایا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جن معدودے چند افراد کو خلافت سے نوازا۔وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

۱۔حضرت گل عدت رحمۃ اللہ علیہ

حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے خلیفہ مجاز تھانیدار حضرت گل عدت رحمۃ اللہ علیہ تھے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ علاقہ بنوں کے رہنے والے تھے ان کا سلسلہ طریقت میں شامل ہونے کا واقعہ دلچسپ ہے۔حضرت گل عدت رحمۃ اللہ علیہ اوگی میں بطور تھانیدار تعینات تھے ان کے ایک سپاہی نے لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی اختیار کی اور چند روز میں ہی اس کے طور طریقے اور ظاہری شکل وصورت میں بہت زیادہ تبدیلی پیدا ہوگئی۔تھانیدار صاحب نے تفتیش کی اور خود بھی قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہو گئے۔حسب معمول لالہ جی نے اسے ٹالنے اور کسی دوسرے پیر کی طرف بھیجنے کی سعی کی۔مگر تھانیدار صاحب بضد رہے کہ بیعت کروں گا تو یہیں کروں گا۔ لہٰذا حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کر کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل کر لیا۔ چند دنوں میں ہی تھانیدار صاحب بھی شریعت مطاہرہ کا پابند ہو گئے اور اس کے پانچوں لطائف ذکر الٰہی میں زندہ ہو گئے اور تھانیدار صاحب ذکر وفکر میں مشغول رہنے لگے۔ڈیوٹی سے فراغت پر زیادہ وقت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر گزارتے۔ پرہیزگاری اور تقویٰ کی راہ پر چل پڑے جب گشت پر جاتے اپنا راشن وغیرہ ساتھ لے کر جاتے۔دوران گشت کسی سے کھانا نہ کھاتے۔حرام سے بچتے اور حلال کھانے کی کوشش کرتے۔

بقیہ صفحہ 31 پر

کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ

سید ریاض حسین شاہ

"کڑچھ" سے کچھ لوگ نکلے اور پیدل ہی "گوڑکی" کی طرف سے ہری پور روانہ ہوگئے۔ "ککوتری" کے سامنے سے ایک پہاڑی نالہ کو انہوں نے اپنا راستہ قرار دیا۔ اب پانی اور وہ ایک دوسرے کی مخالف سمت چل رہے تھے۔ حضرت لالہ جی نے ایک قبلہ رو چٹان کو اپنا مصلیٰ بنالیا اور چاشت کی نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمانے لگے: "بارگاہِ ایزدی میں حضوری کے لیے اشراق اور چاشت کی نماز بہت مؤثر ہیں، ان سے دل منور ہوتا ہے یکسوئی حاصل ہوتی ہے خصوصاً جب اس میں انقطاع ہو۔۔۔۔"

لالہ جی علیہ الرحمۃ نے کلیجی رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ سر پر جناحی کلاہ تھی پاؤں میں ٹوٹے ہوئے چپل تھے۔ ایک ساتھی نے پوچھا "جناب محترم! آپ تھکے تو نہیں۔۔۔۔" فرمایا۔۔۔۔ "وادئ تناول میں میری آمد دنیوی مقاصد کے لیے نہیں ہے اور محبوب کی راہوں میں صحرا نوردی اور آبلہ پائی جو لذت رکھتی ہے وہ اہل محبت سے پوشیدہ نہیں۔۔۔۔" پہاڑی علاقے میں سرسبز درختوں کی لہلہاتی شاخیں کبھی بچھ کر، کبھی لہرا کر اور کبھی جھک کر آپس میں ملتی ہیں تو مختلف حروف اور الفاظ بنتے ہیں۔ دیہی اور کوہستانی علاقوں کے طلبہ اکثر پہیلیاں بھی اسی نوعیت کی ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔ گوڑکی کے دو بچے جو غالباً سکول سے بھاگے ہوئے تھے، سنگ نشینوں کے پاس آبیٹھے۔ ان کے اشغال بچوں کی سمجھ سے بالا تھے۔ ایک بچہ دوسرے بچے سے پوچھنے لگا "اچھا تو بتاؤ؟۔۔۔ نو سو کہاں لکھا ہوا ہے" بچے نے زیتون کے تین درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ دیکھو تین درخت ہیں جن میں سے دو صفر کی شکل بنا رہے ہیں اور تیسرا قدرتی ساخت میں نو کے مشابہ معلوم ہو رہا ہے۔ صحیح جواب پر دونوں بچے کھلکھلا کر ہنسے۔ ان کے قہقہے پہاڑی دروں میں تحلیل ہو گئے۔ وادیاں خوشیوں سے لبریز ہوگئیں۔ درخت مسکرانے لگے اور لہرانے لگے۔ سرسبز گھاس مسرتوں سے لت پت ہوگئی اور وہ دونوں بچے بانہوں میں بانہیں ڈالے گوڑکی کی طرف چل پڑے۔۔۔ لالہ جی علیہ الرحمۃ کی طرف دیکھا جیسے چہرے پر نور کی بارش ہو رہی ہو اور فطری مستعدی نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔ تشکر کے جذبوں میں آپ کا انگ انگ بھیگ گیا ہو۔۔۔ دفعتاً آپ نے اپنے ایک نوجوان ساتھی سے کہا ان درختوں میں ذرا غور سے دیکھو۔۔۔! کہیں اللہ تعالیٰ کا اسم جلالت مآب تو نہیں لکھا ہوا۔۔۔ اب نظریں گھومنے لگیں۔۔۔ پپوٹوں میں تلاش کی آگ جلنے لگ گی۔ دیدہ مست پردۂ فطرت پر اسم باری تلاش کرنے میں مگن ہوا۔ قافلے میں شریک ہر شخص درختوں کے پتوں پر، آسمان کے اُفق پر اور چٹانی سلسلوں پر جیسے اللہ ہی اللہ لکھا ہوا پڑھ رہا ہو۔ وادئ تناول جیسے نور کی سیل رواں میں بہہ رہی ہو۔۔۔ پہاڑی ٹیلوں کو نسیم راحت کے جھونکے لوریاں دے رہے ہوں۔ حضرت لالہ جی علیہ الرحمہ نے حسب عادت زور سے "ہوں۔۔۔!!" تیز آواز زبان مبارک سے صادر فرمائی جس سے داخل کی دنیا روشن ہوگئی اب اسم جلالت مآب اللہ دل کی تختیوں پر نظر آنے لگا۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے معاذورسے فرمایا۔

توبہ۔۔۔۔۔۔!!

استغفار۔۔۔۔۔!!

کوئی نہیں تیرے سوا مولا۔۔۔۔!!

لاموجود الا انت۔۔۔۔۔۔!!

ایک ساتھی نے عرض کی قبلہ ہمارا سلسلہ تربیت و طریقت نقشبندیہ ہے اور اس میں وجود کی بات نہیں کی جاتی بلکہ شہود پر زور دیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا وجود و شہود قلبی کیفیات کے نام ہیں۔ واردات بدلتی رہتی ہیں۔ جیسے ایمان اپنی کیفیت کے اعتبار سے بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے، لیکن اپنی اصل میں نہ کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی بحث نے طوالت پکڑی تو آپ نے فرمایا میں امی ہوں مجھے کچھ معلوم نہیں میرے پیر نے مجھے صرف ذکر اللہ تلقین کیا ہے الحمدللہ میں وہ کرتا ہوں۔ اصطلاحی تصوف سے میں ناآشنا ہوں اس کے لیے علماء سے رابطہ کریں، لگ رہا تھا کہ آپ گفتگو گریزی فرما رہے ہیں۔ ایک بار پھر محفل میں سکوت طاری ہوگیا۔ ذکر کی محفل جم گئی۔ تناول کے پہاڑ ذی سلم کے ٹیلوں سے اٹھنے والی خوشبو سے مہک اٹھے ہندکو زبان میں سادگی کی گلاب پتیوں میں لپیٹ لپیٹ کر لالہ جی دعائیہ جملے ادا فرمانے لگے، دعا ختم ہوئی اور آپ نے فرمایا جلدی کرو راستہ طویل ہے اندھیرا چھانے سے پہلے منزل پر پہنچ جائیں تو بہتر ہے۔

"گوڑکی" کی راہوں کی طرح لالہ جی نے اپنی زندگی کا سفر بھی ذکر۔۔۔ ذکر اور ذکر ہی میں طے کر لیا۔ آپ نے ہمیشہ دھیان رکھا کہ اندھیرا پڑنے سے پہلے ہی منزل پر

پہنچا جائے اور بلاشبہ اندھیروں سے پہلے ہی آپ روشن منزل پر جا پہنچے۔ اب ان کی باتیں ہی باتیں رہ گئیں لیکن ان کے کچے مکان کی باتوں میں، ناپختہ کوچوں کی کہانیوں میں، ان کے کل اور ان کے آج کی باتوں میں اور ان کے وعظ اور سکوت کی باتوں میں روشنیاں پھوٹتی نظر آ رہی ہیں۔ وہ دیکھو خدا پرستی کا مہر درخشاں کس قدر تابناک ہے۔

مجھ سے نہ پوچھ حال دل اب قابل بیاں نہیں
زخم کدھر کدھر نہیں درد کہاں کہاں نہیں

بقیہ: "اولیائے دہلی"

اور بے شمار درویش حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر سے سیر ہو کر نکلے۔ چیت سنگھ یہ سن کر بہت برہم ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا دشمن ہو گیا اور طرح طرح کی اذیتیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء کو پہنچانے لگا، جب دشمن کا ظلم وستم بہت بڑھ گیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے یار و دوستوں کے ساتھ دہلی چلے آئے۔ اسی زمانہ میں اس نے ایک درخواست بادشاہ فرخ سیر کے پاس بھیجی کہ یہ فقیر مکار جادوگر یہاں سے دہلی پہنچا ہے اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس کو قید کر لیا جائے، بادشاہ کے حکم سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہیوں کے ساتھ مسجد جوبیں میں قید کر دیا۔

اس اثناء میں کسی بزرگ نے خواب میں بادشاہ پر عتاب کیا کہ اس بزرگ کو جلد رہائی دی جائے ورنہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے بادشاہ نے بیدار ہوتے ہی خواجہ سراؤں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا کہ معذرت کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو قید سے آزاد کر دیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ جہاں چاہیں رہیں چنانچہ جب بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفیقوں کے ساتھ جامع مسجد میں آ کر اقامت گزیں ہوئے اور طالب علموں کو ارشاد و ہدایت دینے میں مصروف ہوئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 19 رمضان 1131ھ میں بہ عہد رفیع الدین انتقال فرمایا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار املی کی پہاڑی پر مسجد کے صحن میں واقع ہے۔

بقیہ: "حضرت خواجہ محمد جمشید لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ"

عموماً بیویاں نفع نقصان دیکھتی ہیں تھانیدار صاحب کی زوجہ کو محسوس ہوا کہ انہوں نے نقصان کا سودا کیا ہے اور اکثر کہتی کہ کیا فائدہ اس بیعت کا۔ تھانیدار صاحب چاہتے تھے کہ ان کی زوجہ محترمہ بھی اس سلسلہ سے منسلک ہو جائے۔ تاکہ انہیں سلسلہ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ انہوں نے لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے زوجہ کی بیعت کے حوالے سے بات کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت ٹالنے کے لیے کہہ دیا جا کر خود ہی بیعت کر لو۔ یہاں تو یقین پختہ تھا۔ گھر گئے اور بیوی سے کہا وضو کر کے آؤ میں تمہیں بیعت کرتا ہوں۔ اللہ کے کرم اور شیخ کی گفت، بیعت کرتے ہی زوجہ محترمہ کے پانچوں لطائف زندہ ہو کر ذکر الٰہی میں متحرک ہو گئے۔

ایک موقع پر حضرت گل عدت تھانیدار صاحب نے لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہیں اللہ کے اسم اعظم کا بتائیں قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا کہ اللہ کے تمام نام اسمائے اعظم ہیں۔ بات دل اور تقویٰ کی ہوتی ہے کوئی جس قدر وارفتگی سے اللہ تعالیٰ کے اسماء سے قرب چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی نوازتے ہیں۔ عقیدۂ توحید محکم ہو تو لذت معرفت حاصل کی جاسکتی ہے۔ عالی حوصلہ لوگوں کے لیے اسم اعظم کا حصول کوئی بڑا معاملہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا کسی کو نہ چاہیے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کے زیر نگیں کر دیتا ہے۔

۲۔ حضرت سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ درویش صفت عظیم انسان تھے رزق حلال کے لیے پولیس کی نوکری کے ساتھ محنت مزدوری بھی کرتے تھے۔ آپ کا تعلق کوٹنالی کے سادات خاندان سے تھا اور حضرت سید ریاض حسین شاہ صاحب کے چچا تھے۔ حضرت سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ راولپنڈی میں قیام پذیر رہے۔ قبلہ لالہ جی نے ان کو سند خلافت دے رکھی تھی اور آپ سے بہت محبت کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سلسلہ میں دو آدمی صاحب کرامت ہیں: ایک سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے سید ریاض حسین شاہ صاحب۔ قبلہ سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "راہ خدا میں شوق نے مجھے تڑپایا تو میں سینکڑوں مشائخ کے دروازوں پر گیا لیکن مقصد تک رسائی ممکن نہ ہو سکی۔ ایک برفیلی رات مرشد کریم حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازہ پر جا پہنچا جب میں نے اپنا ہاتھ حضرت کے ہاتھ میں دیا میرے ہاتھوں میں سرسراہٹ ہوئی محسوس ایسے ہوا جیسے انگلیوں میں کوئی چیز چل رہی ہے تھوڑی دیر گزری تو جسم تنور کی طرح گرم ہو گیا حرارت کے بعد احساس کا چراغ گل ہو گیا زمین تا فلک ہر چیز اللہ کے نور میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ بدن کا رواں رواں ذکر میں مشغول ہو گیا۔ یہ مرشد کریم کی نگاہ کا اعجاز تھا کہ اس کیفیت کو ابدی بنا دیا۔ اب تو گویا نگاہ جھکائی اور اس کے نور کے جلوے دیکھ لیے"۔

حضرت سید عبدالمنان شاہ صاحب کو کشف قبور حاصل تھا۔ قبلہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے اوگی گئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گھروں کے قریب چھوٹا سا قبرستان اس کے پاس گزرے۔ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو بتایا کہ قبرستان میں ایک خاتون کی قبر پر اللہ کے انوار کی بے تحاشا بارش رہی ہے اور بڑی رحمت ہے جب لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قبر کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی زوجہ محترمہ کی قبر ہے۔ مائی صاحبہ بہت متقی اور ذکر و فکر میں مستغرق رہنے والی پاکباز خاتون تھیں۔

۳۔ حضرت صوفی ولی الرحمن صاحب

صوفی صاحب کا اصل نام علی الرحمن ہے تناول کے باشندے ہیں۔ خاصہ عرصہ کراچی میں مقیم رہے۔ ان کا پورا خاندان عرصہ قدیم سے کوٹنالی کے سادات خاندان کا عقیدت مند چلا آ رہا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ کوٹنالی کے سب سادات حضرت لالہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بن چکے ہیں وہ بھی لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ فرماتے ہیں میرے خیال میں حضرت کا نقشہ کچھ اور تھا لیکن جب زیارت ہوئی تو صدق اور سادگی کا ایک بحر بے پایاں پایا بیعت ہوئی اور زندگی کا رنگ ہی بدل گیا۔ صوفی صاحب کی سادگی اور خدا پرستی کو دیکھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سند اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

۴۔ قبلہ پیر سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی

آپ لالہ جی کے لاڈلے اور چہیتے خلیفہ ہیں۔ لالہ جی کی بھرپور توجہ اور دعاؤں کے مظہر ہیں۔ ان کا ذکر خیر آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔

(اس مضمون کا مواد زیادہ تر سنابل نور اور انوار ولایت شمسیہ سے لیا گیا ہے)

صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن

قرآن پاک کے نہایت مؤثر پیغامات

ماسٹر احسان الٰہی قصور

قسط:24

62۔ اللہ علم والوں کو مقدم رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ محافل میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کھلی کر دو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرما دے گا اور جب کہا جائے کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان لانے والوں اور جنہیں علم دیا گیا ہے عظیم درجات عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔ (المجادلہ:11)

علم نور ہے، روشنی ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔صراطِ مستقیم ہے۔اس کے معنی جاننا اور آگاہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے حد احسانات ہیں جن میں سے ایک سب سے بڑا احسان علم ہے جو اس نے اپنے بندوں کو عطا کیا۔ رسول اللہ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں ارشادِ باری ہے:

"پڑھیے اپنے رب کے عظیم نام سے، اس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے اور رب آپ کا سب سے بڑھ کر کرم والا ہے، وہ رب جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اس نے انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔

(سورۃ العلق:1 تا 5)

علم کی اہمیت درج ذیل چند روایات سے بھی واضح ہوجاتی ہے:

1۔ علم حاصل کرو۔ اللہ کے لیے علم حاصل کرنا نیکی ہے۔
2۔ علم کی طلب عبادت ہے۔
3۔ علم میں مصروف رہنا، تحقیق اور بحث و مباحثہ کرنا جہاد ہے۔
4۔ علم سکھاؤ تو صدقہ ہے۔
5۔ علم تنہائی کا ساتھی، فراخی اور تنگدستی میں راہنما، غم خوار دوست اور بہترین ہم نشین ہے۔
6۔ علم جنت کا راستہ بتاتا ہے۔
7۔ اللہ تعالیٰ علم ہی کے ذریعے قوموں کو سربلندی عطا فرماتا ہے۔
8۔ جو لوگ علماء کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز ان کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہے کیونکہ علم دلوں کی زندگی ہے اور اندھوں کے لیے بینائی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ عالم کی موت عالَم کی موت ہے۔
9۔ علم جسم کی قوت اور توانائی ہے۔
10۔ علم کے ذریعے انسان فرشتوں کے اعلیٰ مقام تک جا پہنچتا ہے۔
11۔ علم میں خوروخوض روزے کے برابر ہے۔
12۔ علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت اور عبادت کی جاسکتی ہے۔
13۔ علم سے انسان معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔
14۔ علم کی بدولت انسان اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔
15۔ علم ایک پیش رو اور راہبر ہے اور عمل اس کے تابع ہے۔
16۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو علم حاصل کرتے ہیں اور بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔
17۔ علم واحد ایک ایسا خزانہ ہے جسے کوئی چور چرا نہیں سکتا۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو درس دیتا ہے کہ علم کی تلاش میں نکلو اور علم وحکمت کے موتی جہاں سے ملیں انہیں حاصل کرو۔ علم کی فضیلت اس امر سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ حکومت اور سلطنت سے اسی قوم کو سربلند فرمایا جسے علم وعمل میں برتری حاصل تھی۔ اسی اصول کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام بھی ملائکہ پر فضیلت لے گئے۔ علم ہی کی بنا پر مسلمان تمام دنیا پر چھا گئے تھے مگر جب انہوں نے قرآنی تعلیمات کو چھوڑا اور علم کی روشنی سے دور ہوئے۔ قعرِ مزلت اور زوال کا شکار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ روزانہ صبح وشام جو دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والے علم کی درخواست کرتا ہوں۔

اللھم انی اسئلك علماً نافعاً

نبی معظم ومحتشم ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

آپ ﷺ اپنے علم میں اضافہ کے لئے یہ دعا فرمایا کرتے:

رب زدنی علماً

"میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما"۔

عہد رسالت میں علم کی اشاعت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی کوششوں کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد جو کافر قیدی آزاد ہونے کے لیے فدیہ نہ دے سکے ان سے آپ نے فرمایا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ علم وحکمت مومن کی متاعِ گم گشتہ ہے۔ جہاں سے میسر ہو حاصل کرنے کی سعی و کوشش کی جائے۔

قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں تو یہ بات عیاں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں علم حاصل کرنے کی بہت تکرار کی گئی ہے اور علم والوں کے لیے عظیم درجات اور بیش بہا انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے۔

انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان گنت مخلوقات میں سے صرف انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا ہے اور فرشتوں کو بھی حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو اور سوائے ابلیس کے تمام فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی اور روگردانی اور تکبر کرنے پر ابلیس کو تا قیامت حکم عدولی کی بناء پر راندۂ درگاہ کر دیا اور قیامت تک کے لیے نشانِ عبرت اور مردود بنا دیا۔ انسان کو علم ودیعت کیا اور علم کی وجہ سے ہی اسے اشرف

المخلوقات کا تاج پہنا دیا۔حضور آقا ﷺ کی بے شمار احادیث علم کے حصول اوراس کی فضیلت کی عکاس ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔اس دور میں چین کا سفر بڑا کٹھن اوردشوارگزار تھا۔اس لیے چین کا حوالہ دیا۔

ایک اورحدیث کا مفہوم ہے: لحد سے مہد تک علم حاصل کرو۔ایک اورحدیث میں ہے علم حاصل کرنا ہر (مرداورعورت) پرفرض ہے۔اس طرح خواتین کا بھی علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

ایک اورحدیث میں ہے:

''تم میں سے بہتر وہ ہے جوقرآن سیکھے اور دوسروں کوسکھائے''۔

بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ اے اللہ! ہمیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما مشکوٰۃ شریف میں ہے اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والے علم، قبول ہونے والے عمل اور پاکیزہ رزق کا سوال کرتا ہوں۔

مسلم شریف کی حدیث ہے اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جونفع نہ دے اوراس دل سے جونہ ڈرے اور اس نفس سے جوسیر نہ ہواوراس دعا سے جوقبول نہ کی جائے۔

علم عظمت اورسربلندی کا مظہر ہے۔زیورِعلم سے آراستہ لوگ اللہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم اور جاہل برابر نہیں۔قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوا کہ کیا وہ لوگ جوعلم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جوعلم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے وہاں دو مجالس ہورہی تھیں،ایک حلقۂ ذکر کا تھا اور دوسرا حلقۂ علم۔آپ ﷺ نے دونوں کی تعریف کی اور پھرعلم کی مجلس میں شریک ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ جب تم جنت کی پھلواریوں میں سے گزرو تو ان سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا کرو۔صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی جنت کی پھلواریاں کیا ہیں؟ فرمایا علم کی مجلسیں قرآن نے دین کے بنیادی احکامات کے ساتھ ساتھ دنیائے فلسفہ وتاریخ،غذا اورغذائیت طب وسائنسی علوم پرغوروفکر کی بھی دعوت دی ہے۔رزق حلال بھی اسلام کا تقاضا ہے۔اس لیے مومن کومعاشی علوم وفنون سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔قرآن مجید فرقانِ حمید میں فرمایا گیا:

''اللہ کے بندوں میں سے اہلِ علم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔ (الفاطر:28)

یہ بھی ضروری ہے کہ جوعلم حاصل ہوا ہے اسے آگے پھیلایا جائے۔دیے سے دیے کو جلایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔مجھ سے ایک آیت بھی سنوتو اسے آگے پہنچادواوراس کی تبلیغ کرو۔

آخری حج یعنی حجۃ الوداع کے موقع پرارشاد فرمایا جوحاضر ہے وہ اس تک میری یہ تعلیم پہنچادے جو یہاں اس موقع پر موجود نہیں ہیں۔

حصولِ علم کے لیےعمر کی بھی کوئی قید نہیں آپ ﷺ نے ماں کی گود سے قبر میں اترنے تک حصول علم کا عمل جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا ماں کی گود سے لے کرقبرتک علم حاصل کرو۔یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مومن علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

یہاں مجھے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور جو کہ اہل سنت کی سب سے پرانی اورعظیم درسگاہ ہے کے مہتمم اور رویت ہلال کمیٹی کے سابق چیئرمین اور بخاری شریف کے شارح بلند پایۂ عالمِ دین علامہ محمود احمد رضوی مرحوم کے بارے میں میرے مرشدِ کریم مفکراسلام ،مفسرقرآن علامہ پیرسید ریاض حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم کا ارشادکردہ ایک واقعہ یاد آ گیا جوکہ کافی سال قبل قبلہ شاہ جی نے اتفاق مسجد لاہور میں جمعہ کا خطبہ ارشادفرماتے ہوئے سنایا تھا۔شاہ جی فرماتے ہیں کہ علامہ محمود رضوی صاحب ہسپتال میں بسترِ علالت پر تھے۔میں بیمار پرسی کے لیے ہسپتال پہنچا اور کچھ دیر وہاں بیٹھا۔اس دوران میں نے علامہ صاحب سے پوچھا۔محترم علامہ صاحب میں اس موقع پرآپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ شاہ صاحب آپ اگر شفقت فرمائیں تو مجھے آقا ﷺ کی کوئی حدیث سنا دیں۔میں بسترِ علالت پر ہوں اگر مجھے موت بھی آئے تو علم کی جستجو اورطلب لے کراللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوجاؤں۔

علم کی بدولت ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک ادنیٰ غلام آصف بن برخیا نے سینکڑوں من وزنی اورسینکڑوں میل دورتختِ بلقیس پلک جھپکنے سے پہلے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ایک انگریز نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا اور تخت بلقیس کے واقعہ پر اس کا ذہن اٹک گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سینکڑوں من وزنی تخت سینکڑوں میل سے آنکھ جھپکنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے۔وہ انگریز اس واقعہ کی حقانیت سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہوگیا اورکہیں اورکسی سے اس کا تسلی بخش جواب نہ پا سکا۔ایک دفعہ وہ پاکستان آیا اور پھرتا پھراتا لاہوربھی آیا۔اس کے میزبان اسے لاہورکی سیر کروا رہے تھے کہ ان کا گزر داتا صاحب کے دربار سے بھی ہوا۔انگریز کووہاں عجیب سی خوشبومحسوس ہوئی اورلوگوں کا مجمع لگا دیکھا تو اس نے اپنے میزبان سے کہا کہ یہاں کیا ہے اور یہ خوشگوارسی عجیب خوشبو کیسی ہے۔میں اس احاطہ کے اندر جانا چاہتا ہوں تو میزبان نے کہا کہ یہاں اندر کچھ نہیں ہے۔یہاں شرک ہوتا ہے انگریز نے اصرار کیا کہ نہیں میں احاطہ کے اندر ضرور جانا چاہتا ہوں۔میزبان مجبور ہوکراس انگریز کو لے کردربارشریف کے احاطہ میں اندر لے گیا۔

وہاں مزارِ اقدس کے قریب ہی ایک مجذوب فقیر بیٹھا ہوا تھا وہ انگریز اس درویش کے پاس بیٹھ گیا۔مجذوب فقیر نے چائے پانی کا پوچھا تو انگریز کوسمجھ نہ آئی کہ فقیر کیا کہہ رہا ہے۔میزبان نے وضاحت کی یہ باباجی کہتے ہیں کہ چائے پلاؤں۔انگریز نے چائے پینے کی خواہش کا اظہار کر دیا اور باباجی نے انگریز کو چاہیے کا کپ دیا۔انگریزنے جب چائے کا کپ پکڑا تو اس کے حواس مختل ہوگئے اور انگریزغش کھا کرگر پڑا۔جب ہوش آیا تو باباجی کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔میزبان نے کہا باباجی کو چھوڑو وہ تو یہاں نہیں ہیں۔آپ کو یک دم کیا ہوا تھا کہ غش کھا گئے۔انگریز نے جواب دیا جس کپ میں مجھے باباجی نے چائے دے دی تھی۔وہ سینکڑوں میل دورمیرے گھرکا ذاتی کپ تھا جس میں میں روزانہ چائے پیتا تھا لیکن میری ایک الجھن دور ہوگئی ہے کہ جس طرح یہ کپ سینکڑوں میل دور سے پلک جھپکنے میں میرے پاس آیا اسی طرح تختِ بلقیس بھی کسی علم اورروحانی طاقت سے حاضر کیا گیا اور یہ طاقت بہت بڑی طاقت ہے۔اس واقعہ سے متاثر ہوکر انگریز نے اسلام قبول کرلیا اور داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ملنگ اورجاروب کش بن گیا اوربقیہ زندگی وہیں بسرکردی۔دیکھا تو نہیں لیکن سنا ہے جب وہ انگریز فوت ہوا تو اسے قریب ہی آس پاس دربار کے احاطہ میں دفن کیا گیا اوراس کی قبرآج بھی وہاں موجود ہے۔

انسان سرتاجِ کائنات اورزمین پرخدا کی بہترین مخلوق ہے۔وہ باقی تمام مخلوقات سے صرف اس لیے افضل واشرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عقل سے نوازا ہے اورسب سے زیادہ علم ودیعت کیا ہے۔اسی علم کی بنا پرہی فرشتوں کوحضرت آدم علیہ السلام کے آگے جھکنا پڑ اوراسی کے ذریعے ساری کائنات انسان کے لیے مطیع و

مسخر ہوکررہ گئی ہے۔

فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ایٹم کا دل چیر دیا گیا ہے۔ ٹیکنالوجی نے انسان کو خود حیران کر دیا ہے۔چانداور مریخ پر ڈیرہ ڈالنے کے بعد دوسرے سیاروں تک رسائی ممکن بنائی جارہی ہے۔موبائل انٹرنیٹ نے تہلکہ مچادیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔دنیا میں علم تو بے شمار ہیں اور کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ ان سب کو حاصل کرے لیکن ایک مسلمان کے لیے تین قسم کے علوم حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔

اول علوم دین اور اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں میں ہر ایک شخص تمام دینی مسائل کا عالم ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اہم مسائل سے واقفیت ہو اور اسلام کی خوبیوں سے آگاہ ہو۔

دوم علمِ طب ہے اور علم طب سے مراد یہ ہے کہ صحت کے اصول وقواعد سے آگاہی ہو۔حدیث میں ہے ۔ العلم علمان، علم الادیان وعلم الابدان یعنی علم حقیقت میں دو ہیں: دین کا علم اور طب کا علم۔

تیسرا علم جس سے واقف ہونا ضروری ہے جس کا دارومدار معاش پر ہے اس سے مراد عام علم ہے خواہ وہ علم متعارف ہو یا کوئی پیشہ یا ہنر ہو کیونکہ دنیا میں جس قدر پیشے یا ہنر ہیں وہ سب علم ہی ہیں۔علم معیشت کا حاصل کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ایک اہم اسلامی فرض ہے۔اس کو نہ جاننے یا اس پر عمل نہ کرنے کے باعث آج مسلمان اقتصادی طور پر پیچھے رہ گئے ہیں اور دنیا کی دوسری قومیں جو ایک مدت اور عرصہ دراز تک اہل اسلام کے خرمن کمالات کی خوشہ چین رہیں، دنیوی ترقی کی اس معراج تک جا پہنچیں کہ دورِ حاضر کے مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔اس کی وجہ صرف جہالت ہے کیونکہ یہ وجہ جہالت اور لاعلمی اپنے مذہبی اصولوں اور اپنے اسلاف کے اعلیٰ کارناموں سے ناواقفیت ہے، ہم ایک خیال باطل کا شکار ہو گئے ہیں کہ ہر کسب باعث ہتک اور موجب ننگ و عار ہے ۔ حالانکہ کلامِ مجید میں کئی جگہ کسب معاش کی شدید تاکید آئی ہے حتیٰ کہ حج جیسی ضروری اور مذہبی عبادت کے موقع پر بھی تجارت کی صریح اجازت موجود ہے اور نمازِ جمعہ کے بعد طلبِ معاش میں نکل جانے کا صاف حکم ہے۔اس کے علاوہ تمام انبیاء علیہ السلام وصحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس اصول کسب معاش اور تجارت کے سختی سے پابند رہے ۔ حضرت ادریس علیہ السلام خیاطی، حضرت نوح علیہ السلام بخاری اور حضرت ابراہیم بزازی کیا کرتے ۔خلفائے اسلام میں ابوبکر صدیق، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ اور علماء بزازی اور تجارت کیا کرتے تھے۔

اسلام کا دامن حکمت اور دانائی کے موتیوں سے ابھرا ہوا ہے۔دین اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو فکر وعمل کی دعوت دیتا ہے۔اور ہر قسم کے علوم وفنون کے لیے ہمیشہ اس کی آغوش کھلی ہوئی ہے۔اسلام اصولی طور پر تحقیقات اور سائنس کا مخالف نہیں بلکہ جس قدر سائنس کی ایجادات اور انکشافات میں اضافہ ہوگا۔اصول اسلام کا اعتراف بڑھتا جائے گا اور توحید کے پرستاروں کی تعداد زیادہ ہوتی جائے گی۔جس طرح ماضی میں مسلمانوں نے بے نظیر سائنسی کارنامے انجام دیے تھے آج ہمیں چاہیے کہ ان کے نقشِ قدم پر چل کر کائنات میں اپنا نام اور مقام پیدا کریں اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لیں۔

جب ہم تاریخ عالم پر نگاہ ڈالیں تو یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے جب اہلِ یونان علمی میدان میں فائق تھے تو ان کے مقدر کا سکندر مشرق ومغرب میں اپنی عظمت کا جھنڈا اگاڑتا نظر آتا ہے اور دنیا کی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔اسی طرح اہلِ اسلام نے جب اللہ کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر علمی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور صرف قرآن کریم اور احادیث رسول کو سمجھنے کی خاطر صدہا درسگاہیں قائم کیں اور اپنی یونیورسٹیوں میں علوم عقلی اور فنون عملی کو بطور نصاب پڑھایا تو دنیا کی کوئی قوم ان کے پایہ کو نہ پہنچ سکی۔مصر، بغداد اور قرطبہ کے تعلیمی ادارے اپنی مثال آپ تھے اور نادرو نایاب لاکھوں کتب مختلف لائبریریوں کی زینت تھیں اور اہل یورپ اپنی جہالت دور کرنے کے لیے سرزمین اندلس کا رخ کرتے تھے۔

پھر ایک زمانہ آیا جب مسلمانوں نے علمی میدان میں کام کرنا چھوڑ دیا۔تحقیق کی جگہ اندھی تقلید اور عمل کی جگہ بدعملی کو اپنایا تو خدا نے انہیں ہر جگہ اوروں کا غلام بنا دیا کہیں انگریز ان پر مسلط ہو گئے ، کہیں پرتگالی اور فرانسیسی استحصال کرنے لگے ۔ کیونکہ دورِ جدید میں جہاں مسلمانوں نے اپنا کردار چھوڑ دیا وہاں اہل یورپ نے مسلمانوں کی جگہ لے لی اور علمی دنیا میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے اور علم کی بدولت پوری دنیا پر چھا گئے اور ایک وقت تھا جب یورپ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتا اور ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا لیکن جب اہل یورپ نے مسلمانوں سے سبق سیکھ کر سستی اور کاہلی چھوڑ کر محنت اور کاوش کو اپنا وطیرہ بنایا تو خدا نے بھی انہیں جہالت کی جگہ علم عطا کیا اور کائنات کی ظاہری حکومت باوجود ان کے کافر ہونے کے ان کے ہاتھ میں دے دی ۔ اب اگر ہمیں اپنا مقام دوبارہ حاصل کرنا ہے تو وقت ضائع کرنے کی بجائے علمی اور عملی میدان میں آگے بڑھنا ہوگا۔قرآن وسنت اور احادیث رسول کی روشنی میں ترقی یافتہ اقوام کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔قرآن مجید بتاتا ہے کہ خدا بھی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

63)۔خواتین بھی وراثت میں حصہ دار ہیں

”مردوں کے لیے اس میں جو ماں باپ اور قرابت والے چھوڑ گئے ہوں حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت والے چھوڑ گئے ہوں حصہ معین ہے تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں حصہ مقرر ہے“۔

(النساء آیت:7)

یہ آیۂ کریمہ قانونِ وراثت کی بنیاد ہے۔والدین اور اقربا جو چھوڑیں اس میں مردوں اور عورتوں سب کے حصص ہیں۔کسی شخص کو محروم نہیں کیا جائے گا۔اصل میں عصر جاہلیت میں یہ فلسفہ پیش کیا جاتا تھا کہ بچے چونکہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور دفاع میں بھی انہیں روبہ کار نہیں کیا جاسکتا اس لیے وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر قرآن حکیم معاشی صلاحیت اور دفاعی اہلیت کی بنیاد پر وراثت میں حصہ مقرر نہیں کرتا بلکہ انسانی مقام کے لحاظ سے انہیں وقعت دیتا ہے۔آیت مسلمانوں کا معاشی رویہ متعین کرتی ہے کہ وہ دولت پر سانپ بن کر نہیں بیٹھ جاتے وہ تقسیم دولت کے فوائد اور ثمرات سے آگاہ ہوتے ہیں۔اس لیے مال متروکہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے۔ اسلام تو اسی بات کی تحریص دیتا ہے۔آیۂ مبینہ نے وراثت کی تقسیم کے لیے قواعد مقرر کرتے ہوئے عرب جاہلیت کی رسوم کو مٹا دیا، وہ کئی رشتہ داروں کو نوازنے اور کئی قرابت داروں کو محروم کرنے کے عادی تھے۔ اسلام نے غیر انسانی رسم ورواج اور قانونی بندھنوں کو یکسر مٹا دیا اور عدل وفطرت کے تقاضوں کے مطابق انسانیت نوازی فرمائی۔(”تبصرہ“ سے ماخوذ)

64۔جنگ کے دوران جنگ کے آداب کا خیال رکھو

سورۃ البقرہ آیت نمبر 190 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

اسلام کا مزاج لڑائی اور جنگ نہیں۔ ایمان کا معنیٰ ہی امن ہے اور اسلام کا مفہوم ہی سلامتی ہے۔ قرآن سب سے پہلے اللہ کی صفت رحمت سے قاریٔ قرآن کو روشناس کراتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کی والدہ کا نام آمنہ تھا۔ اس اسم کا مطلب بھی امن دینے والی ہوتا ہے۔ روایات کے مطابق مسلمانوں کو پہلی مرتبہ یہ حکم دیا گیا کہ جو لوگ راہِ دین میں مسلح مزاحمت کرتے ہیں ان کے خلاف مسلح جہاد کرو۔ مزے کی بات یہ ہے کہ "قاتلو ا اور یقاتلو نکم" باب مفاعلہ سے ہیں جب کہ اس باب کی خاصیت ہی کسی کام کے دو طرفوں اور جہتوں سے ہونا ہوتی ہے۔ "قاتلو" کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، قتال کرتے ہیں اور مسلح لڑائی کے لیے تیار رہتے ہیں، ان کے خلاف تلوار اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں البتہ زیادتی کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ جنگ کے دوران بھی بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور معذور لوگوں کو نقصان پہنچانے اور ان سے زیادتی کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔
("تبصرہ" سے ماخوذ)

65۔سائل کو نہ جھڑکو اور حسبِ توفیق کچھ دے دو

"اور جہاں تک سوالی کا تعلق ہے تو اسے مایوس نہ ہونے دیجیے"۔
(سورۃ الضحیٰ: آیت 10)

اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب اور پیارے رسول ﷺ کو کاروانِ انسانیت کا امام بنایا اور ان کی فکری، شعوری، عملی اور روحانی تربیت کے لیے ایک الہامی نظام الاخلاق عطا فرمایا۔ اس نظامِ اخلاق میں جہاں انسانوں کو دنیاوی آلائشوں سے بچتے ہوئے اپنے خالق کی معرفت کے راستہ پر گامزن ہونے کے اصول دیے وہاں اعلیٰ انسانی اخلاق کا تحفہ بھی عطا فرمایا۔ اس نظام میں تربیت پانے والے مسلمانوں میں خودی، استغنا، غنائے نفس ایسی خصلتوں کو پروان چڑھانے کے لیے صریح محرکات شامل کیے گئے۔ متذکرہ آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو منع کیا گیا کہ سائل کو جھڑکی نہ دی جائے۔ اس ممانعت کا پس منظر سمجھنے کے لیے انتہائی غور و فکر کی ضرورت ہے کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کا فرض منصبی یہ تھا کہ لوگوں کے اندر غنائے نفس اور قناعت کا جوہر پیدا فرمائیں، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی محنتوں سے ایک ایسا معاشرہ قائم کر دیا جس میں مانگنے کو برا سمجھا جاتا لیکن بذات خود آپ قدم قدم پر فکر و عمل کے اس دوراہے پر آ کھڑے ہوئے کہ ایک طرف گداگری کے رجحانات کو ختم فرمائیں اور دوسری طرف آپ کی ذات میں جو رحمت کے سوتے فطرت نے جاری کیے ہوئے تھے ان کا فیض کم نہ ہونے پائے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کو اس الہامی نورِ ہدایت کے ذریعے ہر قسم کے حالات میں رحمۃ للعالمینی کا فیض بانٹنے کا پابند بنا دیا گیا اور کہا گیا آپ سائل کو جھڑکی مت پلایئے۔ ("تبصرہ" سے اقتباس)

66۔ضرورت مندوں کو تلاش کر کے ان کی مدد کرو

"ان فقیروں کے لیے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، طاقت نہیں رکھتے کہ زمین میں کاروبار کے لیے چلیں پھریں، بے خبر ان کی شخصی عظمت کی وجہ سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں، تم انہیں علامتوں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم خیرات میں جو بھی خرچ کرو گے تو بے شک اللہ اس کا جاننے والا ہے"۔
(سورۃ البقرہ: 273)

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ آج رات میں صدقہ کروں گا۔ رات جب پوری طرح چھا گئی تو وہ شخص مال لے کر نکلا اور ایک عورت کو دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ پراپیگنڈا ہونے لگا کہ کوئی شخص رات کو ایک بدکار عورت کو مال صدقہ دے کر غائب ہو گیا۔ صدقہ کرنے والے نے بھی یہ بات سنی اور اللہ کا شکر ادا کیا اور عزم مصمم کر لیا کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا چنانچہ شب دیجور میں مال مٹھی میں رکھا اور ایک مال دار شخص کو ہی عدم علم کی بنا پر صدقہ تھما آیا۔ صبح باتیں چل نکلیں کہ رات کو کوئی شخص صدقہ کا مال اس مالدار آدمی کو دے کر چلا گیا۔ صدقہ کرنے والے نے پھر ارادہ کر لیا کہ آج رات بھی میں تیسرا صدقہ کروں گا۔ جب مال دے کر چلا گیا تو صبح معلوم ہوا اس مرتبہ اس نے ایک چور کو صدقہ کا مال دے دیا۔ صبح جب حقیقت معلوم ہوئی تو صدقہ کرنے والے نے اللہ کی تعریف کی اور شکر بجا لایا چلو کسی طرح صدقہ تو دے دیا۔ کیا ہوا جو بدکار عورت، مال دار شخص اور چور کو صدقہ تھما دیا۔ اگلے روز خواب میں دیکھا کہ فرشتہ اسے کہہ رہا ہے تمہارے تینوں صدقے قبول ہو گئے۔ بدکار عورت تیرے مال کی وجہ سے رک جائے اور مال دار کو عبرت حاصل ہو جائے اور شاید چور مال پا کر چوری کی عادت ترک کر دے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مال صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر ہجرتیں کیں، وطن چھوڑے اور کنبے قبیلوں سے منہ موڑا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ یہ آیت انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں کہ یہ فقرا جن کا حال آیت میں بیان ہوا "اہل صفہ" ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ذکر، علم حاصل کرنے اور عبادت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ مال اور دولت سے یکسر محروم تھے ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی۔ صحابہ نے کہا کہ قریش کے فقراء مہاجرین تھے۔ سعید بن جبیر فرماتے تھے کہ جہاد کی راہوں میں زخمی ہو کر اپاہج بن جانے والے صحابہ تھے۔ سدی نے کہا کہ محصور فی سبیل اللہ لوگ تھے۔ محمد بن فضل نے کہا کہ یہ وہ خود دار اور بے نیاز مجاہدین تھے جو دعائیں کرتے تھے لیکن کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ زمخشری نے کہا کہ یہ مشغول فی الجہاد ہونے کی وجہ سے تجارت کے لیے زمین میں سفر کرنے سے عاجز تھے۔

☆فقر غیور رکھنے والوں کے محامد

1) پہلی صفت یہ ہے کہ یہ لوگ فنونِ جنگ کی تعلیم، دینی علوم کی تحصیل اور راہِ حق میں مشغولیت کی وجہ سے محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ روزی کمانے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔

2) دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نعمتوں کی تلاش میں سفر کرنے سے عاجز ہیں۔

3) تیسری صفت یہ ہے کہ لوگ ان کی حقیقت حالت سے ناآگاہ ہیں بلکہ لوگ ان کی خودداری، عزتِ نفس اور پاکدامنی کی وجہ سے گمان کرتے ہیں کہ خوشحال لوگ ہیں۔

4) چوتھی صفت یہ ہے کہ ان کے چہروں پر ان کے عظمت حالات کے روشن نشان ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بارے میں کچھ بات نہیں کرتے لیکن ان کے دکھوں کی کہانی ان کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔

5) پانچویں فضیلت یہ ہے کہ وہ چمٹ چمٹ کر کسی سے سوال نہیں کرتے۔ (تبصرہ سے اقتباسات)

(جاری ہے)

کامیابی کا تصور

آصف بلال آصف

انسان کی کامیابی اور ناکامی کا براہِ راست تعلق اس کی جذباتی ذہانت (Emotional Intellegence) سے ہے۔۔۔گزشتہ تیس دہائیوں میں کامیابی کے موضوع پر جتنی تحقیق کی گئی ہے اس کے مطابق کسی فرد کی کامیابی میں اس کے (IQ) آئی کیو کا کردار صرف 15 سے 20 فیصد ہوتا ہے۔۔۔جب کہ 80 سے 85 فیصد کا انحصار اس کی جذباتی ذہانت پر ہوتا ہے۔۔۔کیونکہ انسان جو کچھ عمل کرتا ہے اس کا انحصار اس کی اس وقت کی جذباتی کیفیت پر ہوتا ہے جب وہ کوئی Activity کرتا ہے۔

جذباتی ذہانت کا علم ہمیں بتاتا ہے کہ جذبات 27 قسم کے ہوتے ہیں۔۔۔ان میں محبت ، غصہ ، اچھائی اور برائی سمیت مختلف اقسام کے جذبات شامل ہیں۔۔۔ ہر ایک میں کچھ ظاہر اور کچھ پوشیدہ راز پنہاں ہیں۔۔۔معاشرتی زندگی میں جذبۂ اچھائی اور جذبۂ برائی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

اچھائی اور برائی کی اگر پہچان نہ ہوتو یہ دونوں صفات ،جن کا ظہورنفس کی جبلتوں سے ہوتا ہے دھوکا ہیں۔۔۔یہ دونوں ہی نفس کی فطرت ہیں۔۔۔ان دونوں کی تخلیق کا مقصد آزمائشِ آدم ہے۔۔۔ان کو ہم ایک سکے کے دورُخ بھی کہہ سکتے ہیں۔۔۔اچھائی کی یہ ابدی صفت ہے کہ یہ غالب آجاتی ہے۔۔۔جبکہ برائی کا خمیر مٹ جانے کے لیے ہے۔۔۔اسے ثبات حاصل نہیں ہے۔۔۔یہ بار بار اُبھرتی ہے اور ڈوبتی ہے۔

اگر برائی نہ ہوتو اچھائی کوئی شے نہیں۔۔۔ برائی ایک سیاہ رنگ ہے جو شیشے کے پیچھے لگ کر اسے آئینہ بناتا ہے۔۔۔برائی کی وجہ سے اچھائی کا وجود ہے۔۔۔میرے خیال میں اچھائی کا مطلب ذمہ دار ہونا ہوتا ہے۔۔۔معاشرہ ذمہ داری کو اچھا تو ضرور سمجھتا ہے مگر یہ اسے ایک بوجھ محسوس ہوتی ہے۔۔۔

مثال کے طور پر سڑک کے کنارے ایک کتا پیاس کی شدت سے جان بلب ہے اور وہاں سے دو اشخاص کا گزر ہوتا ہے۔۔۔ایک کتے کی غیر ہوتی ہوئی حالت کو دیکھ کر کہتا ہے کہ میں بحیثیت انسان ذمہ دار ہوں کہ اس کی مدد کروں اس نے کتے کو پانی پلا دیا کیونکہ اس نے سوچا کہ یہ اس کی ذمہ داری ہے۔۔۔اس نے مثبت رسپانس دیا اس کے اس عمل سے اچھائی پیدا ہوگئی۔

جبکہ دوسرا یہ سوچتے ہوئے گزر گیا کہ یہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔۔۔میں نہیں پلاتا اسے پانی۔۔۔وہ ذمہ دار نہ نکلا۔۔۔اس نے منفی رسپانس دیا۔۔۔برائی پیدا ہوگئی۔

کتے کو پانی پلا دینا نیکی نہیں ہے، یہ تو اچھائی ہے اس کا مذہب سے کیا تعلق۔۔۔ یہ تو انسان کے انسان ہونے کی نشانی ہے۔۔۔خالق حقیقی کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اچھائی کو نیکی میں داخل کیا ہے۔۔۔اور اس کا ثواب پیدا فرما کر انسان کو اچھائی کرنے کی ترغیب دی ہے۔۔۔نیکی پر اترانا برائی ہے کیونکہ یہ تو عین فطرت ہے کہ انسان کسی کے کام آجائے۔۔۔یعنی انسانیت کا فطری اصول ہے کہ دوسروں کے کام آیا جائے۔

نیکی تو بڑی شے ہے۔۔۔لیکن یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ نیکی قربانی کے جذبے میں مضمر ہے۔۔۔کتے کو پانی پلا دینے تک بات آسان ہے۔۔۔مزہ تو تب ہے جب اپنے نفس کی ترجیح کو قربان کر کے انسان کسی کا بھلا کرے۔۔۔نیکی صرف یہ نہیں کہ کسی کو دعا دے بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ جو گالی دے اسے بھی دعا دے۔۔۔یہ انسانیت کی معراج ہے۔ اللہ کا بہت بڑا فضل اور کرم ہے کہ اس نے ہر اچھائی کو نیکی میں داخل کر کے اُمتِ محمدیہ ﷺ کیلئے بہانۂ مغفرت پیدا کر دیا ہے۔

اگر نفس میں انسانیت اور اللہ کی مخلوق سے محبت کے جذبے کو زندہ کر لیا جائے اور خدمتِ خلق کی جائے تو اللہ تعالیٰ انسان کو اس نیکی کے طفیل اصل اور بڑی نیکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔۔۔انسان نفیس ترین طبع کا حامل ہے۔۔۔یہ کبھی برائی کی طرف لپکنا نہیں چاہتا۔۔۔شیطان بھی برائی کی ترغیب کبھی عین برائی کہہ کر نہیں دیتا۔۔۔وہ ہمیشہ برائی کو ہمدردی کے لبادے میں لپیٹ کر لاتا ہے اور انسان کو دلیل سے راغب کرتا ہے۔۔۔جیسے آج نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔۔۔کیونکہ تھکن بہت ہے ،کوئی بات نہیں اللہ معاف کرنے والا ہے۔

جیسے رشوت لینا مجبوری ہے کیونکہ اخراجات کا بوجھ بہت زیادہ ہے، باقی سب بھی تو یہی کر رہے ہیں، اللہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

ایک ہی بات ہے اچھائی ہو یا بُرائی۔۔۔ یہ تب پیدا ہوتی ہے جب انسان اُسے Response کرتا ہے۔۔۔نفس کو تربیت ہونی چاہیے کہ اچھائی کا جواب دے اور برائی کو مسترد کر دے یا خاموش رہے۔۔۔جس خیال کو نفس جواب دے گا یعنی Response کرے گا اُسی میں ترقی پائے گا۔۔۔اس کی مثال یوٹیوب کے حوالے سے دی جاسکتی ہے۔۔۔ہم ہزاروں آنے والی وڈیوز میں جس کو کلک کریں گے یعنی رسپانس دیں گے اسی طرح کی وڈیوز ہمارے سامنے آنے لگ جائیں گی۔۔۔اچھی یا بری۔۔۔

اچھائی ہو یا برائی دونوں محض خیال ہیں۔۔۔نیتیں ہیں۔۔۔Thoughts ہیں۔۔۔ اعمال تو نتیجہ ہیں۔۔۔اچھائی یا برائی باہر کی دنیا میں نمودار ہونے سے پہلے ذہن میں خیالات کی شکل پیدا ہوتی ہے۔۔۔جس نفس نے نماز کا خیال Attend کر لیا یعنی اُسے کلک کر دیا، Response کر دیا اس نے نماز ادا کر لی۔۔۔نماز، جائے نماز سے پہلے نفس میں ادا ہو جاتی ہے۔۔۔جب ادا ہو جائے تو عمل کے طور پر عطا کر دی جاتی ہے۔۔۔لکھ دی جاتی ہے۔۔۔ جو نفس

اچھے خیال کو Reponse نہیں کرتا اس کا اچھا عمل پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔۔۔ساری بات ترجیح کی ہے، Prority کی ہے۔۔۔کہ آپ کس میں دلچسپی رکھتے ہیں۔۔۔اگر دنیا داری میں دلچسپی ہے تو دنیا داری کا عمل پیدا ہوگا۔۔۔اگر انسان کی ترجیح اللہ ہے تو اچھے اعمال عطا کر دیے جائیں گے۔۔۔جس قدر ترجیح بڑھتی چلی جاتی ہے اور جس جانب اس بڑھتی ترجیح کا رُخ ہوتا جاتا ہے۔نفس کا کردار اور اس کے اعمال اُسی حساب سے سنوارے جانے لگتے ہیں۔۔۔ترجیح بگڑ گئی تو مطلب نیت بگڑ گئی۔۔۔اور نیت خراب ہو جانے کا مطلب ہے کہ نفس متاثر ہوگیا۔۔۔اور اگر نفس منفی لحاظ سے متاثر ہوگیا تو اس کے اعمال بھی بگاڑ دیے جائیں گے۔۔۔لیکن اگر انسان کی بڑی اور پہلی ترجیح اللہ تعالیٰ ہوجائے تو اللہ کا سارا سسٹم اس کا ہوجاتا ہے۔۔۔لیکن یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوتا۔۔۔اللہ کی فطرت میں اچانک نہیں ہے۔۔۔انسان کے مقدر میں معجزہ نہیں ہے۔۔۔انبیاء کی بات اور ہے ان کا مقصد اور ہے۔۔۔

ہمیں انتہائی صبر و تحمل اور مستقل مزاجی سے اپنی ترجیحات کا تعین از سرِ نو کرنے کی ضرورت ہے۔۔۔آہستہ آہستہ غور و فکر سے نفس کی ترجیحات کو نئے سرے سے مرتب کرنا چاہیے۔۔۔اللہ تعالیٰ کسی صورت میں اولین ترجیح سے کم پر نہیں ملتا۔۔۔اس بادشاہوں کے بادشاہ کا تخت دل میں سب سے اونچا ہو گا تو وہ آئے گا۔۔۔جو نفس اللہ کو اپنی پہلی ترجیح بنالے تو اللہ اس کو ترجیح دے دیتا ہے۔جو ایک قدم اللہ کی طرف بڑھے تو وہ دس قدم آگے آتا ہے۔اور پھر بندہ اللہ کی نگاہ میں آجاتا ہے اور یہی کامیابی ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں جسے آنے کی طلب ہو اُسے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو سب سے اہم رکھے۔۔۔ٹاپ پر رکھے۔۔۔اچھائی قبول کرے۔۔۔اور برائی کو رد کرے۔۔۔اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا قدر دان ہے۔۔۔

بقیہ: ''ہادیٔ برحق اور تربیتِ نفس''

ایمان باللہ اور عبادت جہاں روح کو پاکیزگی اور بالیدگی عطا کرتے ہیں وہاں شخصیت کی کئی اور خوبیاں بھی اجاگر ہوتی ہیں۔ بھلا وہ شخص کیسے حریص ہوسکتا ہے جو مال و دولت کا حقیقی مالک حق تعالیٰ کو سمجھتا ہے۔ کبر و فخر اور عُجب کی کہاں گنجائش رہتی ہے۔ جو اپنی پیشانی بارگاہِ ایزدی میں خم کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نقصان کا خوف اور نفع کی امید میں انسان بسا اوقات راہ راست سے بھٹک جاتا ہے لیکن وہ جادہ منزل حیات پر بلا خوف و خطر گامزن ہوتا ہے۔ جیسے سید عالم کا یہ ارشاد ہے:

ولو جهد العباد ان ينفعوک بشئی لم يقضک لم يقدروا عليه ولو جهدو العباد ان يضروک بشئی لم يقضه عليک لم يقدروا

دوسرا تذبذب اور اگر مگر کی پالیسی سے انسانی شخصیت قوت فیصلہ سے محروم ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے ایسے مرحلہ پر اپنے رب سے استقامت اور توکل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

احرص علی ماينفعک واستعن بالله ولا تعجز وان اصابک شئی فلا تقل لو انی فعلت کان کذا و کذا۔ قل قدر الله ماشاء الله۔ فان "لو" تفتح عمل الشيطان۔

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ ''کاش'' کا کلمہ احساسِ محرومی، بے ہمتی اور کم حوصلگی کی دلیل ہے۔ بلاشبہ الفاظ کا استعمال شخصیت کے جانچنے کا اعلیٰ معیار ہے۔ اور مخصوص جملوں کا استعمال قوتِ ارادی میں بے پناہ اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ''لو'' کے بارے فرمایا کہ یہ عمل شیطان کا دروازہ کھولتا ہے اور وہ مایوسی و محرومی ہے۔ مایوسی شیطان کا فعل ہے۔

مومن کا رحمتِ خداوندی پر پورا یقین ہے۔ مشکلات و مصائب میں وہ نہیں گھبراتا۔ اس لیے کہ رحمت خداوندی کا بہرحال امیدوار ہوتا ہے۔ مصائب و آلام بھی بالآخر اس کے حق میں خیر ثابت ہوتے ہیں۔ ابتلاء و آزمائش میں صبر کی لذت اور آرام و آسائش میں شکرانہ نعمت سے شخصیت میں استحکام اور استواری آتی ہے۔ ہر مصیبت ہر وقت گویا اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے۔ اور جذبۂ محبت الٰہی سے بیماریوں، بلاؤں اور فاقوں پر بھی اسرار لطف و رحمت کا نظارہ کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا احب الله عبدا ابتلاه فان صبر اجتباه وان رضی اصطفاه

مضراب غم سے سازِ محبت چھیڑا جاتا ہے اور انعام و اکرام سے محبت کا امتحان لیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

حفت الجنة بالمکاره و حفت النار بالشهوات

نعمت کی کثرت سے انسان کئی اخلاقی اور روحانی برائیوں میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر احساس شکر ہو تو نعمت کی قدر و قیمت باقی بھی رہتی ہے۔ اور انسان اس کے غلط استعمال سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من نزلت اليه نعمة فليشكرها

اور فرمایا کہ:

النعمة وحشية قيدوها بالشکر۔

معتقدات کے علاوہ کچھ ایسے میلانات، خواہشات اور عواطف بھی ہیں۔ جو انسانی جبلت کا تقاضہ ہیں۔ یہ جبلی قوتیں جنہیں منہ زور شہوانی گھوڑے کہا جاتا ہے۔ انسان کو اپنی مرضی سے چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پختہ یقین اور کامل ایمان نہ ہو تو یہ خواہشات انسان پر غالب آجاتی ہیں اور انسان بندہ خواہشات ہو کے رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا يومن احدکم حتی يکون هواه تبعا لما جئت به

گویا عقل میں روشنی اس وقت آتی ہے، جب وہ حرص و آرزو سے آزاد ہو کر علم وحی کے تابع ہو جاتی ہے۔ محبت الٰہی اور محبت رسول اللہ ﷺ کی فراوانی ہی انسان کی قوت غضبیہ، قوت بہیمیہ اور قوت عقلیہ کے درمیان اعتدال رکھ سکتی ہے۔

یوں حضور ﷺ نے تربیتِ نفس کے طرق اور تعمیر شخصیت کے بنیادی اصول وضوابط کا ایک کامل اور مکمل نظام عطا فرمایا جو دین و دنیا میں بھلائی کی ضمانت دیتا۔ نہ صرف حیات طیبہ سے بلکہ اپنے غلاموں کے تزکیہ نفس اور معاشرتی زندگی میں ان کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی کو متعین کرنے کا عملی ثبوت دیا۔

اللہ کریم ہمیں اپنے حبیب مکرم ﷺ کے بتائے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔

آمین ثم آمین

مسالك الحنفاء إلى مشارع الصلاة على النبى المصطفىٰ صلى الله عليه و آله وسلم

قسط 5

ترجمہ وتحقیق: علامہ آصف محمود

القول الثانی

نماز سے باہر درود کے وجوب کے بیان میں

اس میں سات اقوال ہیں:

الاوّل:

جب بھی آپ ﷺ کا ذکر ہو تو درود پڑھنا واجب ہے۔

یہ رائے امام طحاوی کی ہے۔ آپ کی عبارت یہ ہے۔

تَجِبُ كُلَّمَا سَمِعَ ذِكْرَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ غَيْرِهِ أَوْ ذَكَرَهُ بِنَفْسِهِ

''جب بھی نبی کریم ﷺ کا ذکر کسی سے سنیں یا خود کریں درود پڑھنا واجب ہو جاتا ہے''۔

احناف کی ایک جماعت، حلیمی، شیخ اسفرائینی، شافعیہ کی ایک جماعت اور حنابلہ میں سے ابن بطہ نے امام طحاوی کے اس قول کی موافقت کی ہے۔

(المبسوط، شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ(۱/۳۰)

مالکیہ میں سے ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ قول احوط (یعنی نہایت محتاط قول) ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ ربّ العزت نے آیت میں آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام کا حکم دیا ہے اور مطلق امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور تکرار ہر وقت نہیں ہوتا جو حکم اوقات کے ساتھ مکرر ہوتے ہیں اور ان کا تکرر تو صرف اوقاتِ مخصوصہ کے ساتھ ہوتا ہے یا ان کا تکرر شرائط و اسباب کے ساتھ ہوتا ہے اور آپ ﷺ پر درود پڑھنے کے لیے اس سے بہتر وقت کون سا ہو سکتا ہے کہ جب آپ ﷺ کا نام لیا جائے، پس جب بھی آپ ﷺ کا ذکر ہوگا یہ حکم جاری ہو جائے گا اس ضمن میں احادیثِ مبارکہ بھی وارد ہیں۔ یہاں تین مقدمات ہیں۔

مقدمہ اولیٰ

درود مطلق حکم کے ساتھ مامور ہے یہ بات متفق علیہ ہے۔

مقدمہ ثانی

درود کا مطلق حکم تکرار کا تقاضا کرتا ہے یہ بات مختلف فیہ ہے فقہاء یک گروہ نے اس کو ثابت کیا ہے اور ایک گروہ نے ان دونوں امور کے درمیان تفریق کی اصولین کے ایک گروہ نے اس کی نفی کی ہے اور اہے کہ درود مطلق شرط یا وقت کے ساتھ معلق ہے، اور درود کا تکرار اس وقت یا شرط کے ساتھ معلق ہوگا نہ کہ یہ حکم مطلق ہوگا۔ شافعیہ اور حنابلہ میں بھی یہی تین قول پائے جاتے ہیں۔

اس تیسرے گروہ نے درود کے تکرار کو ترجیح دی ہے۔ اس حیثیت سے کہ شرعی حکم تکرار کا تقاضا کرتے ہیں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ''اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' (الحجرات:۱۵) ''جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے''، اور ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' (الانفال:۲۰) ''اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو''، اور ''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' (البقرہ:۴۳) ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو''...... ''اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا'' (المائدہ:۶) ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو تو دھو لو۔ اور ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'' (البقرہ:۱۵۳) ''مدد لیا کرو صبر سے اور نماز سے'' وغیرہ جیسی آیات ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم تکرار کے ساتھ وارد ہیں تو جان لینا چاہیے کہ امت کے لیے یہ حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے۔

مقدمہ ثالثہ

جب مامور (یعنی جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے) کا تکرار ہوگا تو وہ صرف وقت یا کسی سبب سے ہوگا، اور اسباب میں سے تکرار کا سب سے بہترین سبب آپ کا ذکر ہے۔ اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ ربّ العزت نے خود اور اس کے فرشتوں کے درود پڑھنے کی خبر دینے کے بعد مومنین کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ پر درود پڑھیں۔ اس سے یہ پتا چلا کہ اللہ ربّ العالمین اور اس کے فرشتوں کی طرف سے درود پڑھنا ایک ہی مرتبہ نہ تھا اور نہ ہی اس کے بعد انقطاع آ گیا، بلکہ ایسا درود ہے جس میں تکرار ہے، لہٰذا آیت مبارکہ میں اپنا اور اپنے فرشتوں کے درود پڑھنے کا بیان آپ ﷺ کے فضل، اللہ ربّ العزت کے نزدیک آپ ﷺ کا شرف اور آپ ﷺ کے بلند مقام کو واضح کرتا ہے، پھر اہل ایمان کو بھی اس کا حکم دیا گیا پس درود پڑھنے میں تکرار کرنا اس حکم کے لیے تاکید اور حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سلام کی لفظ تسلیم کے مصدر کے ساتھ تاکید کی ہے، اور ایسا کرنا اس درود کی مقدار میں مبالغہ اور کثرت کا تقاضا کرتا ہے اور اس تکرار پر احادیث بھی وارد ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ منبر کی سیڑھی کی طرف تشریف فرما ہوئے جب آپ ﷺ پہلی سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا۔ آمین۔ پھر دوسری سیڑھی پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا۔ آمین۔ جب سیڑھی کے تیسرے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا۔ آمین۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے۔ ہم نے سنا آپ ﷺ نے تین مرتبہ آمین فرمایا، اس کا سبب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پہلی

سیڑھی پر چڑھا تو جبریل میرے پاس حاضر ہوئے اور کہا۔ بد بخت ہے وہ شخص جس نے رمضان پایا اور اس کے سبب اس کی بخشش نہ ہوئی، تو میں نے کہا۔ آمین۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا: ''بد بخت ہے وہ شخص جس نے والدین یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور اسے (ان کی خدمت کے عوض) جنت میں داخل نہ کیا گیا تو میں نے کہا۔ آمین۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا ''بد بخت ہے وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوا اور اس نے آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا۔ میں نے کہا۔ آمین۔ (الادب المفرد، محمد بن اسماعیل بخاری، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ (ص:۲۲۴) (الحدیث:۶۴۴)

یہ حدیث حسن ہے۔ اسے طبرانی نے ''تہذیب الآثار'' میں محمد بن اسماعیل الضراری ''ان کے دادا ضرار کی طرف نسبت کرتے ہوئے'' وہ عبداللہ بن نافع سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ (قسطلانی فرماتے ہیں) ''ہمارے پاس اس سند سے عالی سند بھی موجود ہے۔''

اس روایت کو دارقطنی نے ''الافراد'' میں اسی سند سے نقل کیا وہ حدیث بھی درجہ حسن کی ہے۔ طبرانی نے اسی روایت کو دوسری سند سے الاوسط میں۔ ابن السنی نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں اس روایت کو نقل فرمایا، اور اس روایت کو اسی متن سے صحابہ کرام[کی ایک جماعت نے روایت فرمایا۔ حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں اسے نقل کیا اور کہا کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے۔ ابن حبان نے اپنی ثقات) اور اپنی صحیح میں، طبرانی نے ''معجم کبیر''، بیہقی نے ''شعب الایمان''، ضیاء المقدسی نے ''الاحادیث المختارۃ'' میں اس روایت کو نقل کیا اور اس کے رجال کعب بن عجرۃ کی روایت کے رجال سے زیادہ ثقہ ہیں۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت کعب بن عجرۃ کی روایت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''منبر حاضر کرو'' پس جب منبر پیش کیا گیا تو آپ علیہ التحیۃ والثناء اس کے پہلے زینے پر تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا۔ آمین، پھر دوسرے زینے پر تشریف لائے فرمایا۔ آمین، پھر تیسرے زینے پر تشریف فرما ہوتے ہوئے فرمایا۔ آمین۔

جب (خطبہ ارشاد فرما کر) نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ ہم نے آپ ﷺ سے آج ایسی چیز سنی جو ہم نے (اس سے) قبل نہ سنی۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جبریلu میرے پاس تشریف لائے اور کہا:' دور ہوا وہ شخص جس نے رمضان پایا اور اس کی (عبادت و مناجات کے سبب) بخشش نہ ہوئی'۔ میں نے کہا۔ آمین، پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا اس نے کہا:' دور ہوا وہ شخص جس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہوا اور اس نے آپ ﷺ پر درود و سلام نہ پڑھا۔'' میں نے کہا۔ آمین، پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا اس نے کہا: ''دور ہوا وہ شخص جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور (ان دونوں کی خدمت نہ کرنے کے عوض) اسے جنت میں داخل نہ کیا گیا۔'' میں نے کہا۔ آمین۔
(المستدرک للحاکم (۴/۱۷۰) (الحدیث:۷۲۵۶)

آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''بَعُدَ'' دور ہوا اس سے مراد خیر و بھلائی سے دور ہوا۔ ایک روایت میں ''بعدہ اللہ'' ہے۔ (یعنی اللہ اسے خیر سے دور فرمائے) ایک حدیث میں ''بَعِدَ'' یعنی ہلاک ہوا ہے۔ جس نے بھی ان دونوں معانی پر اسے معمول کیا تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہ اور بزار نے اپنی مسانید میں سلمہ بن وردان عن انس بن مالک کی سند سے اس حدیث کو روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ منبر کی سیڑھی پر بلند ہوئے تو فرمایا۔ آمین، پھر دوسری سیڑھی پر بلند ہوئے تو فرمایا۔ آمین، پھر تیسری سیڑھی پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا۔ آمین، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس جبریل آئے۔ انہوں نے کہا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو گئی جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کو بزرگی میں پایا (تو ان کی خدمت نہ کرنے کی وجہ سے) اسے جنت میں داخل نہ کیا گیا۔'' میں نے کہا۔ آمین۔ (پھر جبریل) نے کہا۔ ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو گئی جس نے رمضان کو پایا اور اس کی بخشش بھی نہ ہوئی۔'' میں نے کہا۔ آمین۔ اس نے کہا۔ ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو گئی جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوا اور اس نے آپ ﷺ پر درود و سلام نہ بھیجا۔'' میں نے کہا۔ آمین۔
(مسند بزار، احمد بن عمرو البزار، مکتبۃ العلوم والحکمۃ، مدینہ منورہ، ۲۰۰۹ء (۱۲/۳۵۴) (الحدیث:۶۲۵)

اس حدیث کے راوی سلمہ ''دلین الحدیث'' ہیں۔ (یعنی درست روایت بیان کرنے میں کمزور ہیں) اور ان پر محدثین نے کلام بھی فرمایا (یعنی جرح کی ہے) البتہ ان وجوہات کے باوجود ان کی حدیث کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ خصوصاً جب کہ اس حدیث کی مثل دیگر روایات بھی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ جب پہلی سیڑھی پر چڑھے اظہار ناراضگی میں فرمایا۔ آمین، پھر دوسری سیڑھی پر بلند ہوئے فرمایا۔ آمین، پھر تیسری سیڑھی پر بلند ہوئے فرمایا۔ آمین۔ پھر فرمایا: ''جبریل میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ یا محمد ﷺ جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ اللہ اسے دور فرمائے۔ (یعنی اپنی رحمت سے)'' تو میں نے کہا۔ آمین۔ انہوں نے کہا: ''جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا۔ اسے پھر بھی جہنم میں ڈالا گیا، پس اسے اللہ دور فرمائے۔'' میں نے کہا۔ آمین۔ انہوں نے کہا: ''جس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہوا اور اس نے آپ ﷺ پر درود نہ بھیجا۔ اللہ اسے رحمت سے دور فرمائے۔'' میں نے کہا۔ آمین۔
(صحیح ابن حبان، محمد بن حبان ابوحاتم البستی، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ (۲/۱۴۰) (الحدیث:۴۰۹)

اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح اور ثقات کے اندر نقل کیا ہے، اور طبرانی نے بھی اسے نقل کیا۔ اس سند میں عمران بن ابان الواسطی ہے۔ ابن حبان نے اس راوی کی توثیق کی ہے اور باقیوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس روایت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ آدمی کے لیے یہ بات مستحب ہے کہ وہ اپنی ذات کی خاطر مدد کے حصول کو ترک کر دے بالخصوص جب آدمی ایسی شخصیت کا مالک ہو کہ جس کی پیروی کی جاتی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب جبرئیل نے عرض کی ''جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اور اس کی مغفرت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی مغفرت سے دُور فرما دے تو آپ ﷺ نے جلدی فرمایا: ''آمین'' اور اسی طرح والدین یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پا کر خدمت کے عوض جنت حاصل نہ کرنے والے کے متعلق جبریل امین کی دعا پر جلدی آمین کہا (لیکن)

جب جبرئیل نے آپ ﷺ کے سامنے یہ کہا: جس شخص کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوا اور اُس نے آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا تو اللہ اسے اپنی رحمت سے دُور فرمائے تو آپ ﷺ نے فوراً آمین نہ فرمایا کیونکہ اس جملے میں آپ ﷺ کی ذات کی خاطر حصہ موجود ہے، حتیٰ کہ جبرئیل کو عرض کرنا پڑا کہ آپ ﷺ آمین کہیں، تو آپ ﷺ نے آمین کہا۔ آپ ﷺ کا اس بات سے ارادہ یہ تھا کہ آپ ﷺ اسوہ قائم فرمائیں کہ اپنی ذات کے لیے دوسروں سے مدد حاصل نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ جل وعلا دارین میں اپنے محبوبوں کا مددگار رہے۔

ابوالیمن ابنِ عساکر نے کہا کہ یہ تاویل عمدہ ہے، لیکن ہم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا جس میں آمین کہنے میں جلدی کا بیان ہے۔ اس کے بغیر کہ جبریل نے آپ ﷺ کو یہ کہنے کا کہا ہو۔

ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ بعض روایات میں اسی طرح ہے جیسا کہ آگے آئے گا کہ آپ ﷺ نے تینوں مرتبہ آمین کہا ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔ جب آپ ﷺ نیچے تشریف لائے تو آپ ﷺ سے اس (عمل کے متعلق) پوچھا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک جبریل میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا۔ اس شخص کی ناک خاک آلود ہوئی جس نے رمضان پایا تو اس کی بخشش نہ ہوئی۔'' جبریل نے مجھ سے کہا کہ آپ ﷺ کہیں آمین تو میں نے آمین کہا۔ (جبریل نے کہا) ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہوئی جس نے اپنے والدین کو (بڑھاپے) میں پایا پھر ان کے سبب اسے جنت میں داخل نہ کیا گیا یا کہا اللہ اسے (بھلائی) سے دور کرے۔ آپ ﷺ آمین کہیں'' تو میں نے کہا۔ آمین۔ (جبریل نے کہا) ''اور وہ شخص آپ ﷺ کا ذکر جس کے سامنے ہوا تو اس نے آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا، پس اللہ اسے دور کرے۔ آپ ﷺ آمین کہیں۔'' تو میں نے کہا۔ آمین۔

(مسند بزار (۴/۲۴۰) (الحدیث: ۱۴۰۵)

اس روایت کو امام بزار نے انہی الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا۔ طبرانی نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ اسی روایت کو اختصار سے ذکر فرمایا۔

امام بزار نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے سوائے اس سند کے کسی نے اس روایت کو نقل کیا ہو۔

(امام قسطلانی کہتے ہیں) ''ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ محمد بن عمار کا ابن حبان نے ''الثقات'' میں ذکر فرمایا اور ان کے بیٹے ابوعبیدہ کی ابن معین نے توثیق کی ہے ابوحاتم نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔''

حدیث مبارکہ میں 'صَعِدَ' عین کے کسرہ کے ساتھ ماضی کا صیغہ ہے اور مضارع کے صیغے پر ''یصعد'' فتح آئے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیہ والثناء منبر پر بلند ہوئے تو تین مرتبہ آمین فرمایا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم جانتے ہو میں نے آمین کیوں کہا؟'' صحابہ کرام [نے عرض کی: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل میرے پاس آئے۔ انہوں نے کہا۔ جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوا تو اس نے آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا اسے آگ میں داخل کیا گیا، پس اللہ اسے (اپنی رحمت سے) دور فرمائے اور اسے ہلاک فرمائے۔'' میں نے کہا: آمین۔ جبریل نے کہا ''جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا، پس ان دونوں سے صلہ رحمی نہیں کی۔ اسے آگ میں داخل کیا گیا، پس اللہ اسے (اپنی رحمت سے) دور فرمائے اور اسے ہلاک و برباد کرے۔'' میں نے کہا۔ آمین۔

''اور جس نے رمضان پایا اور اس کی بخشش اس مہینے کے سبب نہ ہوئی۔ وہ آگ میں داخل ہوا۔ اللہ اسے (بھلائی سے) دور کرے اور اسے ہلاک کرے۔'' تو میں نے کہا۔ آمین۔

(۔المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد طبرانی، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ، ۱۴۱۵ھ (۱۲/۸۳) (الحدیث: ۱۲۵۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسولِ کریم ﷺ منبر پر چڑھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آمین۔ آمین۔ آمین۔''

آپ ﷺ سے عرض کی گئی: ''اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے منبر پر آمین۔ آمین۔ آمین (کیوں) فرمایا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک جبریل میرے پاس آئے۔ انہوں نے کہا۔ جس شخص نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس سبب اس کی مغفرت نہ ہوئی تو پس اسے آگ میں داخل کیا گیا۔ اللہ اسے (اپنی رحمت سے) دور فرمائے۔ جبریل نے کہا۔ آمین کہیے تو میں نے کہا۔ آمین۔''

''اور جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کو پایا پس ان سے صلہ رحمی نہ کی اور فوت ہو گیا تو اسے آگ میں داخل کیا گیا، پس اللہ اسے (بھلائی سے) دور کرے۔ آپ آمین کہیں تو میں نے کہا۔ آمین۔''

''اور جس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہوا تو اس نے آپ ﷺ پر درود نہ پڑھا پس وہ فوت ہوا تو آگ میں داخل کیا گیا۔''

''اللہ اسے (اپنی رحمت سے) دور کرے۔ آپ ﷺ آمین کہیں تو میں نے کہا۔ آمین۔''

(صحیح ابن حبان، باب الادعیہ (۳/۱۸۸) (الحدیث: ۹۰۷)

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان؛ نے اپنی ''الصحیح'' میں انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا۔ بخاری h نے ''الادب المفرد'' میں۔ ابویعلی نے اپنی ''مسند'' میں۔ بیہقی نے ''الدعوات'' میں اختصار کے ساتھ نقل کیا۔ امام ترمذی نے اسے نقل کیا اور کہا روایت حسن غریب ہے اور ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ کے آئمہ میں سے کسی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔

(ان کے علاوہ) اسے ابن ابی عاصم h نے مرفوعاً روایت کیا ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''اللہ نے اس شخص کی ناک خاک آلود کی جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ اس شخص کی ناک خاک آلود ہوئی جس نے والدین کو بڑھاپے میں پایا اور ان دونوں کی خدمت کے عوض اسے جنت میں داخل نہ کیا گیا اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہوئی جس پر رمضان کا مہینہ آیا پھر اس کے سبب اس کی مغفرت نہ ہوئی۔''

(کتاب الصلاۃ علی النبی ﷺ، ابوبکر احمد بن عمرو ابی عاصم الشیبانی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۱۰ء (ص: ۲۹) (الحدیث: ۶۵)

ابن ابی عاصم کے ہاں ایسی روایت بھی موجود ہے جو مرفوع ہے اور مختصر ہے (آپ ﷺ نے فرمایا)

''میرے پاس جبریل آئے اور کہا: ''بدبخت ہے وہ شخص یا (کہا) نامراد ہے وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوا اور اس نے آپ ﷺ پر درود نہ بھیجا''۔